قال لقمان لابنه يا بني عليك بمجالس العلماء واسمع كلام الحكماء فان الله يحيي القلب الميت بنور الحكمة

چوں حدیث نبوی تقریری حزو رشاہدست
و دلیل مطلوبیۃ استماع آں اقاویل حاصل شد

از مجالس علما و حکما بہداۃ سبیل و مجملہ اقوال زریں قبیل بود رسالہ ملقبہ

27

القول الجلیل

از ملفوظات حضرت افضل النبیل و اخلق الجمیل محیی السنۃ حکیم الامۃ مجدد الملۃ مولانا
شاہ اشرف علی صاحب ادام اللہ ظلہ الظلیل جمع کردہ
ابن سعید ضئیل محمد جلیل عفی عنہ تخفیفاً و تسہیلاً
افادۃ للشائقین

در مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون

بعضے از ملفوظات حضرت محی السنۃ حکیم الامۃ

مجدد الملۃ مولانا شاہ اشرف علی صاحب دام ظلہم العالی

ملقب بہ

القول الجلیل

ضبط کردہ احقر جلیل احمد علیگڈھی

التماس از ضابط

بعد حمد و صلوۃ یہ ملفوظات گویا روایت بالمعنی کے طور پر ہیں حضرت دام ظلہم العالی کے وہ الفاظ مبارک جو فصاحت و بلاغت کی جان ہوتے ہیں ان ملفوظات میں محفوظ نہ رہ سکے لیکن تاہم کسی درجہ میں محفوظ ہو جانا فائدہ کیلئے کافی سمجھ کر سلسلہ شائع کرنا مناسب سمجھا۔ فقط [illegible] اوائل شوال ۱۳۴۹ھ

(۱) اسمیں دو جزء ہیں۔ جزء اول (مشعر محبت حق جل شانہ) ۴۹ھ۔ فرمایا کہ میرے
ساتھ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اسقدر اور اسطرح رحمت و عنایت کا معاملہ ہوتا ہے کہ کچھ
بیان نہیں کر سکتا۔ بس ایک بات تو نہیں ہوتی یعنی یہ کہ آواز تو غیب سے نہیں آتی کہ ہم نے یوں
کیا یا ہم یوں کرینگے۔ باقی اور کوئی بات باقی نہیں رہتی۔

جزء دوم (مشعر محبت حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم) ۴۸ھ میں احقر مکہ مکرمہ حاضر ہوا تو
حرم شریف میں ایک صاحب سے جو حضرت حکیم الامۃ دامت ظلہم العالی کے مجازین میں سے ہیں
احقر نے یہ ملفوظ حاصل کیا۔ وہ صاحب بھی بغرض حج اسی زمانہ میں ہندوستان سے تشریف
لائے تھے۔ فرماتے تھے کہ حضرت دامت ظلہم العالی نے مجھسے ارشاد فرمایا کہ جب تم مدینہ منورہ
روضۂ اقدس پر حاضر ہو تو میرا سلام اس طرح عرض کرنا۔ (وہ عبارت حضرت والا کی بالفاظہم
درج ذیل ہے) یا سیدی یا رسول اللہ اشرف علی یخدمک یسلم علیک ویسئلک
ان تدعو اللہ تعالیٰ ان یدخلہ فی عشاقک۔ وخدام دینک ویحشرہ معک

(۲) فرمایا جامعہ ملیہ سے ایک صاحب کا خط آیا ہے پہلے بھی انکا خط آیا تھا جسمیں
اپنے لئے تدبیر صلاح دریافت کی تھی۔ جس سے صلاح ہو جائے تو حضرت نے جواب میں تحریر
فرمایا تھا کہ اگر اس تدبیر کے اندر آپ کامیابی کا وعدہ نہ چاہیں۔ تو میں تدبیر بتلا سکتا ہوں۔
اسکی وجہ یہ فرمائی کہ کہیں یہ بہتری تو کریں خود اور الزام آئے میرے اوپر۔ اور مجھکو کیا معلوم
جو بتلایا جاوے اسپر عمل کریں بھی یا نہیں۔ وہاں سے جواب آیا کہ آپ کامیابی کے ذمہ دار
نہیں۔ اسپر فرمایا کہ اب میں انکو وہ تدبیر بتلا دونگا پھر فرمایا کہ مدعیوں کے ساتھ آن بان اور
استغنا سے رہنا چاہئے۔ باقی انبیاء علیہم السلام پر اپنے کو قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ انبیاء
علیہم السلام پر تو تبلیغ واجب تھی پھر اکثر مواقع میں تبلیغ واجب نہیں مستحب ہے اور واجب کو
کسی حالت میں ترک نہیں کیا جاتا البتہ جہاں تبلیغ نہ ہوئی ہو وہاں وہی طرز اختیار کرنا چاہئے
جو حضرات انبیاء علیہم السلام کا تھا کہ ہمت ہو تو اگر قتل بھی ہو جائے تب بھی پرواہ نہ کرے کیونکہ
وہاں تبلیغ واجب ہے اور جہاں تبلیغ ہو چکی ہو اس جگہ تبلیغ مستحب ہے وہاں ان مفاسد کو گوارا
نہیں کیا جاسکتا اور ان مفاسد کا حاصل یہی ہے کہ اہل دین کی ذلت۔ پس ایسے موقع پر

اگر کوئی ذرا بے اعتنائی کرے فوراً چلا آنا چاہیئے۔ اب لوگ ان مراتب میں فرق ہی نہیں کرتے۔

(۴) ایک گفتگو کے سلسلہ میں فرمایا مجھکو اپنی کسی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں کہ یہ میری سرمایہ نجات ہے البتہ حیاۃ المسلمین کے متعلق میرا غالب خیال قلب پر ہے کہ اس سے میری نجات ہو جائیگی اسکو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں مگر لوگ اسکو اردو میں دیکھکر بے وقعت سمجھتے ہیں اسکی قدر ان علماء کو ہو سکتی ہے جو حدیث شریف پڑھاتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ کونسا اشکال کہاں پر کیسی ذرا سے لفظ سے حل ہو گیا اور پھر یہ کتاب گویا ایک فہرست ہے ان اعمال کی کہ جن سے یقینی طور پر دنیا کی بھی فلاح حاصل ہوگی اور دین کی بھی میں نے اسکو بہت سوچ سوچ کر لکھا ہے۔ اسکے لکھنے میں مجھکو بہت تعب ہوا میں اول اسکے مضامین کو لکھتا تھا پھر انکو سہل کرتا تھا۔ اسکے بعد دیکھتا تھا کہ اگر کم سہل ہوئے تو پھر دوبارہ سہل کرتا تھا۔ اور ہر باب میں اسکے میں دو ورق لکھا کرتا تھا اور وہ دو ورق ہی بعض مرتبہ کئی کئی بار کے مسودہ میں لکھے جاتے تھے۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے بہشتی زیور کے سہل ہونے کی تعریف فرمائی اسپر فرمایا کہ اسکے اندر تو فرعی مسائل ہیں انکی تسہیل چنداں دشوار نہیں اور اسکے اندر احادیث کی شرح کیگئی ہے مگر ایسی شرح کیگئی ہے کہ جس سے سارے اشکالات کا حل ہو گیا اگر کسی کے ذہن میں کوئی اشکال ہو وہ اسی کے پڑھنے سے حل ہو جائیگا اور اسی شخص کو قدر بھی ہو سکتی ہے ورنہ اور کوئی کیا قدر کر سکتا ہے میرا تو ارادہ تھا کہ میں ایکبار حیاۃ المسلمین کو خود پڑھا دوں مگر ہجوم کے احتمال پر موقوف کر دیا مسلمانوں کو جتنی ذلت اور پریشانی آجکل ہو رہی ہے اس کتاب میں ان سب کا علاج ہے۔ پھر ایک صاحب نے ملفوظ مسمی سلسبیل کی تعریف فرمائی اور اسکے بعد اس سے مختصر اسی باب کا جو ایک ملفوظ ہے مسمیٰ الیم فی السم اسکی بھی تعریف فرمائی تو حضرت نے جواباً ہنسکر فرمایا کہ میں اس مختصر کو ایک رسالہ کہا کرتا ہوں ایک رسالہ تو میرا بارہ جلدوں میں ہے یعنی تفسیر اور ایک رسالہ یہ ہے کہ بارہ سطروں کا بھی نہیں مگر میرا آنکل ہے تمام سلوک کی لیکن اس میزان کامل کی قدر اسی کو ہوگی کہ جس نے پوری پہچان اپنی کی ہو اور یہی

تفصیل دیکھی ہو ورنہ کیا کوئی قدر کر سکتا ہے ہمیں کوئی بات سلوک کی رہی نہیں۔

(۴) ایک صاحب نے فرمایا کہ حضرت یہ اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ بھی اسقدر مفید ہے کہ کیا ٹھکانا۔ فرمایا کہ خیر پاس بیٹھنے والوں کو تو معلوم ہو ہی گا مگر مجھکو تعجب ہوا ایک صاحب کہتے تھے کہ مجھسے کلکتہ میں ایک شخص نے جو احمد رضا خاں کے معتقد تھے یا مرید تھے آپ کے متعلق دو عجیب باتیں کہیں ایک تو یہ کہ تم جو اسکو دیوبندیوں کی جماعت میں سے کہتے ہو یہ غلط ہے بلکہ وہ تو ہماری جماعت میں سے ہیں دوسری بات انھوں نے یہ کہی کہ انھوں نے جو یہ مسئلہ اختیاری اور غیر اختیاری کا بیان فرمایا ہے یہ مسئلہ صدیوں سے مخفی تھا اور کسی کو اسکا علم نہ تھا پھر حضرت نے فرمایا کہ مجھکو انکی سمجھ پر تعجب ہوا معلوم ہوتا ہے کہ ساری چیزیں اس شخص کی دیکھی ہوئی ہیں مگر ایک بات انھوں نے ناسمجھی کی کہی کہ یہ دیوبند کی جماعت سے نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اختلافی مسائل میں میرے عنوان کو تعصب سے خالی دیکھکر یہ بات کہی اپنے نزدیک وہ حضرات دیوبند کو سخت سمجھے ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا کہیں تو کہا کرتا ہوں کہ یہ اختیاری غیر اختیاری کا مسئلہ نصف سلوک ہے۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ حضرت بلکہ کل سلوک ہے۔ فرمایا جی ہاں اگر کل سلوک کہا جاوے تو بھی شاید بجا ہو۔

(۵) مولوی عبد المجید صاحب نے فرمایا کہ فلاں مولوی صاحب کو میں نے اب جو جاکر دیکھا تو انھوں نے اب اپنے طالبین کی تربیت کا طرز بدلدیا ہے پہلے بہت نرمی فرماتے تھے فرمایا کہ ابھی جب وہ تشریف لائے تھے اور مجھکو انکی رائے نرمی کی معلوم تھی کہ طالبین کی بے پروائی سے جو غلطیاں ہوتی ہیں وہ انہیں بھی انکی اس خاص مصلحت کی بنا پر (کہ زیادہ تنبیہ سے کہیں متوحش ہو کر اکہیں نہ چلے جاویں جسمیں ان طالبین کا نقصان ہو) کچھ تاویلیں کر کے ان سے چشم پوشی کرتے تھے میں نے ان سے کہا کہ مولوی صاحب منجملہ اخلاق حسنہ کے ایک خلق غیرت بھی ہے کیا اگر کسی کے کوئی بیٹی ہو اور نہایت حسینہ جمیلہ بھی ہو اور وہ ایسی دیندار اور نیک بھی ہو کہ اس سے اس کے خاوند کی اصلاح کی امید ہو اور صاحب جائداد بھی ہو تو کیا محض اسوجہ سے کہ اچھا ہی

کسی مسلمان کا بھلا ہو وہ شخص لوگوں کو ترغیب دینا پھرے گا کہ تم میری بیٹی سے نکاح کر لو اسکے اندر ایسی ایسی خوبیاں ہیں کیا کوئی شریف آدمی اسکو گوارا کر سکتا ہے باوجودیکہ اسمیں دوسرے کا نفع ہے مگر اسکو ایسا کرنے میں غیرت آئیگی یا از خود کسی کو ترغیب نہ دی بلکہ دوسرے ہی نے اسکے لئے پیام دیا مگر ایسے عنوان سے کہ اس سے بیقدری اور بے رغبتی اور بے پروائی مترشح ہوتی ہے تو کیا وہاں بھی کوئی ایسے ہی مصالح کی بنا پر جو کہ طلب حق میں پیش کیجاتی ہیں اسکی ان عنوانات کی تاویلیں کر کے بیٹی دیدیگا۔ تو کیا طریق (تصوف) کی قدر ایک بیٹی کے برابر بھی نہیں تو وہ فرمانے لگے کہ اب میری سمجھ میں آگیا تو اسی طرح اہل طریق کو غیرت ہوتی ہے مگر میں اس رنگ کو بھی (یعنی جو رنگ تھا بیعت طالبین کا ان مولوی صاحب ممدوح الصدر کا پہلے تھا اسکو) برا نہیں کہتا خدا تعالیٰ کے باغ میں ہر طرح کے درخت ہیں ایسے بھی ویسے بھی۔ غیرت پر ایک واقعہ یاد آیا پہلے ایک ہندو معمار ہے اس سے تعمیر کے متعلق ایک بار کہا گیا کہ یہ کام اس طرح کر دو اس نے کہا کہ صاحب یوں تو بے قاعدہ ہے کہا گیا کہ تجھکو کیا جیسا کہا جائے تو اسی طرح کر دے اگر کوئی خرابی ہوئی تو تو اسکا ذمہ دار نہیں مگر وہ یہ سنکر کام چھوڑ کر الگ ہو گیا کہ صاحب مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ بے قاعدہ کام کروں ہاں آپ اور کسی کو بلا لیجئے وہ کر دیگا تو جب پیشہ وروں کو جنکو اصل مقصود پیسہ ہی ہوتا ہے غیرت ہوتی ہے تو جن لوگوں کی کوئی بھی غرض نہیں کیا انکو غیرت نہیں ہوگی تو پھر اہل طریق یا اہل علم پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔

(۶) خواجہ عزیز الحسن صاحب نے فرمایا کہ ایکبار حاجی بشیر احمد صاحب لکھنوی نے فلاں مولوی صاحب کے سامنے جو وہاں کے مشائخ میں سے ہیں کچھ حضرت کے اشعار پڑھے تو انھوں نے حضور کے متعلق فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ ہیں۔ اور خواجہ صاحب اپنے وقت کے امیر خسرو ہیں۔ فرمایا کہ خیر یہ خوشی کی بات ہے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اور اس سے زیادہ زیادہ شہادتیں موجود ہیں مگر (واللہ تعالیٰ) ان چیزوں سے کوئی خاص حظ نہیں ہوتا آخر کہ معلوم حق تعالیٰ کی نظر میں ہم کیسے ہیں۔ اس احتمال کے ہوتے ہوئے خلق کی مدح سے کیا

حظ ہو سکتا ہے۔ اگر طبعی خوشی ہوتی بھی ہے تو بھی اسکی عمر زیادہ سے زیادہ دو تین سیکنڈ ہوتی ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ فرض کیجئے ایک دولہن ہے جو نہایت حسین و جمیل ہے ہر قسم کی پوشاک اور ہر قسم کے زیور سے آراستہ ہو مگر اسکا شوہر اس سے راضی نہیں وہ شوہر کو اچھی معلوم نہیں ہوتی تو اب آپ غور کیجئے کہ اسکو دوسرے لوگوں کے اچھا سمجھنے سے کیا خاک خوشی ہو سکتی ہے اور ایک دولہن ایسی ہے کہ نہایت بدشکل کالی ہے اور بہتیرے عیب بھی اسمیں ہیں مگر اسکا شوہر اس سے خوش ہے اور وہ اپنے شوہر کی نظر میں بھلی معلوم ہوتی ہے تو اسکو ذرہ برابر بھی اسکی پروا نہو گی کہ کوئی اسکو کیا سمجھتا ہے تو پیا جسکو چاہے وہی سہاگن ہو کیونکہ وہ جانتی ہے کہ مجھکو جس سے سابقہ پڑتا ہے وہ تو مجھ سے خوش ہے اسلئے وہ مسرور ہو گی اسی طرح جبتک یہ نہ معلوم ہو کہ اللہ میاں بھی ہم سے خوش ہیں یا نہیں اسوقت تک کیا کسی کو اطمینان ہو سکتا ہے اور اسکی کسی کو خبر نہیں کہ اللہ میاں ہم سے خوش ہیں یا ناخوش پھر حظ کیسا۔ پھر فرمایا کہ ایسا شخص جو اس فکر میں ہو تو اپنے آپ کو کسی ادنیٰ شخص سے بھی اچھا نہیں سمجھ سکتا خواہ وہ کافر ہی کیوں نہو۔ یہ شخص مسلمان کو تو اپنے سے جزماً فی الحال اچھا سمجھتا ہے اور کافر کو احتمالاً فی المآل۔

(۷) فرمایا ایک شہر سے ایک خط آیا کہ یہاں فلاں (لیڈر) بہت آفت اٹھا رہے ہیں ایک فوج بنائی ہے ایک جھنڈا نکالا جاتا ہے پتلے لوگوں کے ڈالے جاتے ہیں کہیں ہارمونیم بجایا جاتا ہے۔ لہذا اسکے متعلق فتویٰ دیا جاوے ہم شائع کریں گے۔

جواب حسب ذیل دیا گیا

احکام سب ظاہر ہیں لہذا اس صورت میں تبلیغ واجب نہیں فتویٰ سے سوائے افتراق کے کچھ حاصل نہو گا پھر فرمایا اسی وجہ سے ہم سے سب ناراض ہیں ان لیڈر کا خط آتا اسکا بھی خشک جواب جاتا ان کے مخالف کا آیا اسکا بھی خشک جواب جا رہا ہے۔ فتوے سے مقصود محض آڑ ہوتی ہے اب تو پارٹیاں ہو گئی ہیں اور ہم کسی پارٹی میں نہیں ہم تو یوں کہتے ہیں خدا کی پارٹی بننا چاہیئے اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون۔

(۸) فرمایا قلب و دماغ کی حفاظت رکھنی چاہیئے انکی ماؤف ہو جانے سے انسان انسان نہیں رہتا جانور سا ہے

بدتر ہو جاتا ہے کیونکہ جانور سے اتنی اذیت نہیں ہوتی جتنی اُس سے ہوتی ہے۔

(۹) فرمایا دنیا وہ حالت عاجلہ ہے جو آخرت سے روکے یا غافل کرے

(۱۰) فرمایا مولوی عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری نے بڑے کام کی باتیں اور بڑے حقائق دریافت کیے ہیں اسلئے (ایسے خطوط کا) ان کے ہاں بڑا عمدہ ذخیرہ ہے حالانکہ عالم ہیں مگر ذرا ذرا سی بات دریافت کرتے ہیں اس پر حضرت استاذی نے فرمایا کہ اساتذہ درسیات نے تو کلیات سمجھا دیے اور جزئیات کی تطبیق تو یہ اہل طریق حضرات ہی کرتے ہیں فرمایا بیشک ٹھیک ہے۔

(۱۱) ابداء الزینۃ پردہ کے متعلق ایک مضمون ہے حضرت کا جو رسالہ النور میں شائع ہوا ہے اسکے متعلق فرمایا کہ مولوی محمد حسن صاحب امرتسری اسکو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہتے تھے کہ اس سے تمام آیات و احادیث کھل گئیں۔

(۱۲) استاذی مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت جو لوگ اپنے پیروں کو حاجات و مصائب میں معین و مددگار سمجھتے ہیں ان کو کیا کہا جاویگا آیا اسکو شرک قرار دیں گے یا نہیں۔ فرمایا جی ہاں شرک ہے مگر شرک کی دو قسمیں ہیں ایک شرک اصغر دوسری شرک اکبر ان دونوں میں فرق یہ ہے بس یہ سمجھئے کہ شرک اصغر مزیل ایمان نہیں البتہ مخل واجبات ایمان ہے ہمارے اور نجدیوں کے درمیان یہی تو فرق ہے وہ یہ دو درجے نہیں نکالتے انکے یہاں شرک بس ایک ہی حقیقت ہے یعنی شرک اصغر کوئی چیز نہیں سب ہندوستان سے ابھی پچھلے زمانہ میں کچھ لوگ گئے تو فلاں مولوی صاحب بھی تھے وہ کہتے تھے کہ وہاں مکہ معظمہ میں شاہی دربار میں یہی بحث چھڑی نجدیوں کی طرف سے یہی سوال پیش ہوا کہ شرک (اکبر) کی کیا تعریف ہے (جس سے شرک اصغر کے احکام جدا کر دیے جاویں) مگر کوئی بھی اسکا حل نہ کر سکا سو شرک کے ان دونوں درجوں میں ایک بڑا باریک فرق ہے وہ یہ ہے کہ یہ دیکھنا چاہیے کہ جو لوگ بزرگوں کو معین و مددگار سمجھتے ہیں وہ کس درجہ کا سمجھتے ہیں کیونکہ اسکے درجات مختلف ہیں یعنی وہ لوگ ان کو مؤثر سمجھتے ہیں انکو مستقل سمجھتے ہیں یا غیر مستقل مگر اس سے پہلے استقلال کے معنی بھی سمجھ لینا چاہیے کیونکہ یوں تو ہر شخص کچھ نہ کچھ ہی

اپنے معبودونکو بالمعنی المتبادر متصرف اور مستقل نہیں سمجھتے تھے بلکہ اقرار کرتے تھے
کہ ہم انکو غیر مستقل سمجھتے ہیں یعنی وہ اپنے ان معبودونکو یعنی بتونکو اس درجہ کا نہیں
سمجھتے تھے کہ جس درجہ کا حق تعالیٰ کو سمجھتے تھے چنانچہ ان کفار کا قول ارشاد ہے ما
نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ۔ ولئن سالتھم من خلق السمٰوات والارض
لیقولن اللہ۔ یعنی یہ سمجھتے تھے کہ سب ماتحت ہیں اللہ تعالیٰ کے تو اب شبہ یہ ہوتا ہی کہ وہ
بھی تو مستقل نہیں سمجھتے تھے پھر مشرک کیوں ہوئے تو اسلئے اول استقلال کے معنی سمجھ لینا
چاہئے استقلال کے اعتقاد کو جو شرک کہا گیا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ کسی کو ایسا متصرف
مانا جاوے کہ گو قوت تصرف کی حق تعالیٰ ہی سے عطا ہوئی ہو مگر بعد عطا پھر صرف اسکا
ارادہ اس تصرف کے لئے کافی ہو جاوے حق تعالیٰ کی ارادہ جزئیہ کی حاجت نہ ہو گو
اس قوت کا سلب کر لینا بھی حق تعالیٰ کے اختیار میں ہو مگر جب تک سلب نہ فرماویں
اسوقت تک صرف اسکا ارادہ کافی سمجھا جاوی حق تعالیٰ کے ارادہ پر موقوف نہ مانا جاوے
جیسے ایک کلکٹر ہے ہر شخص اسکو سمجھتا ہے کہ یہ حکومت کا ماتحت ہے اور کوئی بات وہ
حکومت کے قانون کے خلاف نہیں کر سکتا تو گویا وہ اس معنی کر غیر مستقل ہے مگر ساتھ ہی
اسکے یہ بھی جانتے ہیں کہ اسکو ہر واقعہ میں بادشاہ کی اذن جزئی اور خاص منظوری کی
ضرورت نہیں یعنی ہر کام کرنے سے پہلے اس کام کے کرنے کیلئے حکومت سے اسکو اجازت
لینے کی ضرورت نہیں مثلاً وہ اگر کسی کو گرفتار کرے تو کر سکتا ہے اور اسکے لئے اسکو لندن
تار بھیجنے کی ضرورت نہ پڑے گی بلکہ جو اختیار اسکو اول بار پارلیمنٹ کی طرف سے دیدیا
گیا ہے اسی سے وہ جب چاہے کام لے سکتا ہے دوبارہ اسکو اجازت لینے کی ضرورت
نہیں گو یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ پارلیمنٹ اسکے اختیارات جب چاہے سلب کر لے
لیکن جب تک سلب نہ کرے اسوقت تک اسکو اس کام کے کرتے وقت پھر اجازت
کی ضرورت نہیں کیونکہ اسکو پہلے سے اختیار حاصل ہے تو اگر بزرگوں کے متعلق بھی کسی کا یہی
عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انکو ایسا اختیار دیدیا ہے کہ جب یہ چاہیں اس اختیار سے
تصرف کر سکتے ہیں حق تعالیٰ کی مشیت جزئیہ کی حاجت نہیں رہتی بلکہ بلا مشیت

جزئیہ کے بھی انکا چاہنا پورا ہو سکتا ہے تو بلاشک ایسا اعتقاد رکھنے والا کافر ہے
اور شرک اکبر ہے گو اس شخص کا یہ بھی اعتقاد ہو کہ حق تعالیٰ ان بزرگ کے اس اختیار
کے سلب کر لینے پر بھی ہر وقت قادر ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی سمجھتا ہو کہ ان بزرگ کے ارادہ
کے بعد حق تعالیٰ کی مشیت جزئیہ کی ضرورت نہیں یعنی یہ اعتقاد ہو کہ وہ بزرگ اگر کسی
کام کو کرنا چاہیں اور حق تعالیٰ نہ اس کام کو روکیں نہ اس کام کا ارادہ کریں تو ایسی
حالت میں اگر وہ بزرگ چاہیں تو اس کام کو کرسکتے ہیں اور ایسی صورت میں انکو حق تعالیٰ
کی مشیت جزئیہ کی ضرورت نہیں ہوگی تو ایسا شخص جو یہ عقیدہ رکھے بلاشک کافر
مشرک ہے اور شریعت میں کافر مشرک ایسے ہی مشرک کو کہتے ہیں اور اگر ان بزرگ
کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ وہ مشیت ایزدی کے محتاج تو ہیں اور اذن جزئی کی بھی انکو
ضرورت تو ہوتی ہے مگر ان کے چاہنے کے وقت مشیت ایزدی ہو ہی جاتی ہے تو گو یہ
شرک و کفر نہیں مگر کذب فی الاعتقاد و معصیت و شرک اصغر ہے اور پہلا درجہ شرک
اکبر ہے میرے دل میں شرک کے دونوں درجوں میں جب یہ فرق آیا تھا بے انتہا خوشی
حاصل ہوئی۔ پھر فرمایا کہ اب ایسے شخص سے دریافت کرنا چاہیے یعنی اگر وہ عوام میں سے
ہے تو وہ خود تو ان درجوں کو بیان نہ کرسکے گا اسلئے اُس سے اس طرح پوچھنا چاہیے
کہ تو ان بزرگ کے اختیارات کے متعلق کیا سمجھتا ہے یعنی اگر وہ بزرگ کوئی کام کرنا چاہیں
تو حق تعالیٰ کے بدون چاہے کرنے پر قادر ہیں یا نہیں یعنی اگر حق تعالیٰ اس کام کو نہ روکیں
اور نہ ارادہ کریں اس کام کا تو ایسی حالت میں تو کیا کہتا ہے آیا وہ بزرگ اس کام کے کرنے
پر ایسی حالت میں قادر ہیں یا نہیں اگر وہ یہ جواب دے کہ ہم ان کی قدرت کے اس
صورت میں قائل نہیں تب تو وہ مومن ہے گو بدعتی ہے جبکہ اسکا اعتقاد ہو کہ اُن بزرگ کے
چاہنے کے وقت مشیت بھی حق تعالیٰ کی ہو ہی جاتی ہے اور اگر یہ جواب دے کہ حق
تعالیٰ اگر اس کام کو نہ روکیں اور نہ ارادہ کریں اور وہ بزرگ اس کام کو کرنا چاہیں تو
ہو جائیگا تو یہ شخص کافر و مشرک ہے اور اسکا نکاح ٹوٹ جائیگا۔ اب واعظ لوگ سبکو
ایک لکڑی ہانکتے ہیں حضور میرے دل میں یہ تفصیل آئی تھی مجھکو اتنا سرور ہوا تھا کہ

ہیں سچ کہتا ہوں کہ اگر مجھکو کسی اقلیم کی سلطنت ملجاتی تب بھی مجھکو اتنی خوشی حاصل نہ ہوتی صدیوں سے اسکی حقیقت الفاظ میں نہ آئی تھی اور مخفی تھی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ پہلے لوگوں کو علم نہ تھا مگر اسکی تفصیل کی ضرورت ذہنوں میں نہ تھی میرا ایک رسالہ ہے الادراک والتوصل۔ اسکے اندر اس مضمون کی کافی تفصیل ہے نیز ابن تیمیہ رح نے جو توسل بالمیت کو حرام کہا ہے اس رسالہ میں اسکی بھی تحقیق ہے اسمیں میں نے ابن تیمیہ رح کا جواب دیا ہے وہ رسالہ التشرف کا جزو ہے التخب عن الخطب میں بھی یہ مضمون مختصر طور پر ہے مشکل یہ ہے کہ اردو میں سمجھکر لوگ ان رسالوں کو دیکھتے نہیں ورنہ ان رسالوں میں عجیب وغریب علوم ہیں اب یہاں سے ذرا انصاف کیجئے لوگ ہمکو سخت کہتے ہیں ہم تو جو لوگ ظاہراً کفر وشرک کی باتیں کرتے ہیں انکو بھی علی الاطلاق کافر ومشرک نہیں کہتے۔ اور ہمارے اور نجدیوں کے درمیان یہی فرق ہے کہ ہم شرک اصغر کے مرتکب کو مشرک اور کافر نہیں سمجھتے بلکہ فاسق و بدعتی سمجھتے ہیں اور نجدی ایسے شخص کو بھی کافر ومشرک سمجھتے ہیں عجیب نہیں اُن کے لشکر نے اسی وجہ سے طائف میں قتل عام کیا ہو کیونکہ انمیں اکثر لوگ اہل حجاز کو ایسی بدعات کے سبب کافر ومشرک سمجھتے ہیں۔

(۱۳) فرمایا زمانہ التحریکات (خلافت) میں ایک مولوی صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک دوسرے مولوی صاحب نے میرے متعلق یہ کہا کہ یہ گورنمنٹ سے تنخواہ پاتا ہے راوی نے ان سے پوچھا کہ سچ سچ کہو کہ کیا واقعی تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ گورنمنٹ سے تنخواہ پاتے ہیں کہنے لگے کہ حاشا وکلا میرا یہ ہرگز خیال نہیں کہا پھر کیوں کہتے ہو کہنے لگے کہ اپنی آواز کو زوردار بنانے کی غرض سے۔

(۱۴) فرمایا ایک سوداگر کا خط آیا کہ مجھکو تجارت میں نقصان ہوا ہے جس سے مجھکو بہت قلق ہے اور گو زبان سے میں اس رنج کا اظہار نہیں کرتا مگر دل سے نقصان پر آمادگی نہیں ہے اسوجہ سے مجھکو ایک شبہ اپنے متعلق ہوتا ہے کہ جب نقصان انکے حکم سے ہوا اور اُس (نقصان) پر راضی رہنے کا حکم ہے تو پھر صدمہ کیوں ہے یہ تو رضا

(با القضا) کے خلاف ہے اور گو اس نقصان سے میری طبیعت متاثر ہے مگر عقل متاثر نہیں انکو جواب دیا گیا کہ یہ قلق طبعی ہے جو مالکی حب طبعی سے پیدا ہوا ہے جو مذموم نہیں اور حقیقت رضا کی ترک اعتراض علی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ وہی ہے کہ جسکو آپنے عقل کا متاثر نہونا لکھا ہے اب لوگ رضا کی یہ حقیقت سمجھتے ہیں کہ جب نقصان ہو تو خوش ہو کہ خوب ہوا نقصان ہو گیا سو بندہ اسکا مکلف نہیں نقصان پر رنج ہونا خاصہ بشری ہے ہاں اس کا مکلف ہے کہ خدا تعالیٰ پر اعتراض نہو اس سے ناراض نہو جاوے یہ غلط فہمی کم علم واعظونکی پھیلائی ہوئی ہے۔

(۱۵) فرمایا توکل کے ذکر کے سلسلہ میں کہ اگر کوئی توکل مستحب (بمعنی ترک اسباب ظنیہ) کو ایک ذریعہ رزق کا سمجھکر اختیار کریگا تو نہ وہ توکل ہے نہ اسمیں کامیابی ہوگی یہ تو بہت آسان بات ہے ہر شخص ہی کر لیا کرے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ غیر محقق واعظین غضب کرتے ہیں مسلمانوں پر الزام رکھتے ہیں کہ تمکو خدا تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد نہیں اور دلیل میں کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمہاری دعوت کر جائے کہ آج شام کا کھانا تمہارا میرے یہاں ہے تو کیا تم کو اطمینان نہو جائیگا اور کیا پھر تم کچھ تدبیر کروگے اپنے شام کے کھانیکی تو افسوس ہے کہ ایک مخلوق کے وعدہ پر تو تمکو اتنا اعتماد ہو گیا کہ تم نے تدبیر کو ترک کر دیا مگر حق تعالیٰ نے جو رزق کا وعدہ فرمایا ہے اسپر اتنا بھی اعتماد نہیں یہ تقریر ہے واعظین کی حالانکہ یہ الزام بالکل صحیح نہیں کیونکہ یہ دونوں وعدے یکساں نہیں ہیں حق تعالیٰ کا وعدہ تو مبہم ہے نہ اسمیں سبب کی تعیین ہے نہ وقت کی تعیین نہ معلوم کس طریق سے ملیگا اور کس وقت ملیگا اگر عمر بھر میں بھی کبھی ملجائے تب بھی وعدہ صادق ہے بخلاف دعوت کے کہ اسمیں دونوں امر کی تعیین ہے اور ابہام کے لئے تشویش اور تعیین کیلئے سکون طبعاً لازم ہے سو اس سے مسلمانوں کا عدم اعتماد علی الحق لازم نہیں آتا مگر باوجود اس کے واعظین ان باتوں پر خواہ مخواہ مسلمانوں کو بے ایمان بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمکو حق تعالیٰ پر اتنا بھی بھروسہ نہیں ایسی حکایتوں سے مسلمانوں کا دل مردہ ہو گیا۔ حق تعالیٰ سے تعلق ضعیف ہو گیا جو تعلق محبت کا حق تعالیٰ سے پہلے تھا مسلمانوں کو وہ ایسی حکایتیں سن سن کر قایم نہیں رہا

یہ لوگ حق تعالیٰ کی رحمت کا مطلق ذکر نہیں کرتے لوگوں کے ذہن میں یہ بات جما دی ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر بندہ مردود ہو جاتا ہے اور ایسا خیال جم جانا نہایت مضر ہے چنانچہ یہ بات طبعی ہے کہ اگر کسی کو یہ یقین ہو جائے کہ میں حق تعالیٰ کے یہاں سے مردود ہو گیا تو پھر حق تعالیٰ سے اس شخص کو محبت نہیں رہے گی چنانچہ دیکھ لیجئے کہ اگر کسی شخص کو کسی حاکم کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں حاکم مجھ سے ناراض ہے اور اسکا یقین بھی ہو جائے تو پھر اس حاکم سے محبت بھی نہیں رہتی۔ اسلئے سخت احتیاط کی ضرورت ہے کہ تعلیم میں افراط و تفریط نہ ہونے پائے۔

(۱۶) فرمایا یہ تعمیر کا کام ایسا ہے کہ کوئی تعمیر خواہ کتنے ہی دنوں تک جاری رکھی جاوے مگر جب اسکو ختم کیا جاویگا تو گویا یہ معلوم ہو گا کہ اسکو بیچ میں چھوڑ گیا۔ ایک عذاب ہے جونک ہے۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں اسکی بڑی مذمت آئی ہے حضرت ادہم رح جو سلطان ابراہیم رح کے والد تھے انکو جو مکان میراث میں ملا تھا اسمیں متعدد کوٹھریاں تھیں انمیں سے ایک کوٹھری میں رہنے لگے جب وہ کوٹھری گر گئی تو دوسری میں چلے گئے گری ہوئی کو بنایا نہیں جب وہ بھی گر گئی تو پھر تیسری میں چلے گئے بس اسی میں انتقال ہوا اور وہ بھی ایسی ہی بنی ہوئی تھی کہ ان کے انتقال کے بعد وہ بھی گر گئی تو انھوں نے ساری عمر اسی طرح گذار دی مگر اینٹ پر اینٹ رکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ خصوصاً اہل مدارس تو اسمیں بہت زیادہ مبتلا ہیں قلعہ کا قلعہ بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ سلف نے تو چھپروں میں عمر ختم کر دی حضرت عمر بن عبد العزیز جو خلیفۂ وقت تھے ان کے زینے میں ایک اینٹ ہلتی تھی خادم نے گارا لگا دیا آپ جو اسپر سے گذرے تو فرمایا یہاں ایک اینٹ ہلتی تھی وہ کیا ہوئی عرض کیا گیا اسمیں گارا لگا دیا گیا۔ فرمایا نہیں اسکو ویسا ہی کر دو مجھکو اسپر قدم رکھنے سے پلصراط یاد آتا تھا تو یہ بادشاہ ہو کر ایسے تھے اور ہم لوگوں کو غریب ہو کر بھی آخرت سے کتنی غفلت اسکے بعد حضرت سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ جو بادشاہ تھے انکا قصہ بیان فرمایا کہ ساری عمر انکی نظر نامحرم پر نہ پڑی تھی اور فرمایا کہ یہ مرید تھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت شیخ نے یہ وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھائے

جسکی ساری عمر نامحرم پر نظر نہ پڑی ہو بڑے بڑے لوگ موجود تھے اور سب حیران تھے کہ ایسا شخص کہاں تلاش کریں۔ آخر کار جب لوگ مایوس ہوگئے تو مجبوراً انکو ظاہر کرنا پڑا اور انھوں نے کہا کہ صاحبو اگر حضرت ایسا ارشاد نہ فرما چکے ہوتے تو کبھی میں ظاہر نہ کرتا مگر جب شیخ ہی نے پردہ فاش کر دیا تو اب کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت مجکو نصیب کی ہے اسکے بعد انھوں نے اپنے شیخ کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ دیکھئے پہلے سلاطین کی یہ حالت تھی جو اب مشائخ کی بھی نہیں۔ اسی وجہ سے جو شخص مسلمان بادشاہوں کو برا کہتا ہے مجھکو بہت برا معلوم ہوتا ہے اول تو انمیں بکثرت بزرگ ہوئے ہیں دوسرے اگر بعضے بزرگ بھی نہ ہوں مگر آخر تو وہ پشت پناہ تھے اسلام کے۔ کفار پر انکی ہیبت تھی سلاطین کی اہانت نہیں کرنا چاہئے۔ جب تک کہ وہ کفر میں مبتلا نہوں اسوقت تک کوئی بات انکی شان کے خلاف نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں اگر ہمت ہو تو ضروری نصیحت ادب سے انکی خدمت میں عرض کر دینا چاہئے۔ اسکے بعد نواب وزیر الدولہ کا قصہ بیان فرمایا کہ یہ مرید تھے حضرت سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دن یہ دربار کر رہے تھے اسی دربار میں انکے ایک پیر بھائی بھی وہاں موجود تھے جو ذرا تیز مزاج تھے انھوں نے کسی شخص کی ان سے سفارش کی نواب صاحب نے کچھ عذر کیا اسپر ان صاحب نے انکے ایک دھول مارا مگر نواب صاحب بالکل خاموش رہے جب دربار ختم ہو چکا تو انکی خدمت میں عرض کیا کہ آپ اگر سر بازار بھی میرے جوتے مارلیں تو میں حاضر ہوں آپکو ہر طرح حق حاصل ہے لیکن سر دربار ایسا نہ کیا کیجیگا کہ یہ مصلحت کے خلاف ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے چند بندوں کی خدمت میرے سپرد کر رکھی ہے اور اس خدمت کا انتظام موقوف ہے رعب پر ایسے برتاؤ سے رعب میں خلل پڑجاتا ہے۔ اسی میں ضمناً فرمایا کہ سلاطین اسلام کی علی الاعلان اہانت میں ضرر ہے جمہور کا کہ ہیبت نکلنے سے فتن پھیلتے ہیں اسلئے سلاطین اسلام کا احترام کرنا چاہئے حدیث شریف میں ظل اللہ کا لفظ آیا ہے سلطان کی نسبت اور اسمیں چونکہ ایہام ہوتا تھا کہ حق تعالیٰ کا کوئی ظل متعارف نہ سمجھ بیٹھے اس ایہام کے رفع کیلئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یاوی الیہ الناس یعنی مشابہ ہے ظل کے اسمیں کہ سب بادشاہ کی پناہ لیتے ہیں جیسے سایہ ظل کی پناہ

لیتے ہیں باقی رہی ظل کی اضافت سو وہ ایسی ہے جیسے روح اللہ بیت اللہ میں اضافت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ایک چیز ہے جو سایہ کے مشابہ ہے پناہ دینے میں پھر فرمایا کہ بعض اہل علم نے اس حدیث سے دعویٰ کیا ہے کہ ظلیت کا مسئلہ تصوفیہ حدیث میں بھی آگیا حالانکہ تفسیر مذکور کے بعد حدیث سے اسکا مس بھی نہیں وہ مسئلہ علوم مکاشفہ سے ہے اور علوم مکاشفہ کو بعضے لوگ قرآن وحدیث سے ثابت کرنا چاہتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ علوم مکاشفہ سے اگر قرآن وحدیث ساکت ہی ہوں تو غنیمت ہے اسکی ضرورت نہیں کہ اسکو قرآن وحدیث کا منطوق بنایا جاوے اور نہ اسکا صحیح ہونا اسپر موقوف ہے جیسا بعضے منکرین تصوف اسکا مطالبہ کیا کرتے ہیں کیونکہ ہر سچی بات قرآن وحدیث سے ثابت ہونا ضرور نہیں کوئی منکر تصوف سے کہے کہ مثلاً جا،فی زید یہ تمہارے نزدیک صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں اگر کہو کہ صحیح ہوسکتا ہے تو اب تم نے اسکو صحیح کیوں ان لیا یہ قرآن شریف میں کہاں آیا ہے۔ قرآن وحدیث سے صرف ان ہی امور کے ثابت ہونیکی ضرورت ہے جنکو قرب الی اللہ تعالیٰ میں دخل ہے پھر خواہ وہ عبارۃ النص سے ثابت ہوں یا دوسرے طرق دلالت سے وہ سب منطوق ہے باقی جو مقصود نہوں انکا ثابت بالقرآن والسنۃ ہونا ضروری نہیں اور علوم مکاشفہ سب ایسے ہی ہیں جو قرب میں دخیل نہیں۔ مثلاً وحدۃ الوجود ہے یا تجدد امثال ہے کہ انکو قرب کے اندر کچھ دخل نہیں۔ گو ان کے اثر سے کسی ایسے عمل کی نوبت آجائے کہ جسکو قرب میں دخل ہو جیسے وحدۃ الوجود کے غلبہ سے انقطاع عن الخلق میں قوت ہوجاوے مگر فی نفسہ خود انکو قرب میں دخل نہیں ان کے لئے یہی بہت ہے کہ قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہوں مگر آجکل لوگ ان کے اندر مشغول ہونا ہی بڑا کمال سمجھتے ہیں اسی سلسلہ میں فرمایا کہ جیسا علوم مکاشفہ کمال نہیں اسی طرح کرامت بھی چنانچہ حضرت عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کرامت کا مرتبہ ذکر لسانی سے بھی گھٹا ہوا ہے اور وجہ اسکی ظاہر ہے کہ ذکر سے کچھ تو قرب ہوتا ہے اگرچہ توجہ سے ہی نہو اور کرامت سے تو کچھ بھی قرب نہیں ہوتا بلکہ خود وہ قرب سے ناشی ہے قرب اس سے ناشی نہیں تو غایت مافی الباب وہ قرب کی علامت ہوئی بشرطیکہ وہ کرامت ہی ہو

اور مطلق خارق کرامت نہیں ہوتا بلکہ اسمیں عمل صالح شرط ہے تو لوٹ پھیر کے اخیر مدار عمل صالح پر ہوا یہ ہے حقیقت امر لیکن باوجود اسکے آجکل کرامت کی ہی قدر ہے اعمال کسی شمار ہی میں نہیں حتی کہ خود زمانہ کے اکثر بزرگوں کا بھی یہی حال ہے بات یہ ہے کہ اسمیں شہرت کا حظ ہوتا ہے اور اعمال میں یہ حظ نہیں بلکہ اکثر اوقات تو اتفاقیات کو کرامت بنالیا جاتا ہے مثلاً ایک بزرگ کسی شہر میں گئے اور وہاں بارش نہ ہوتی تھی ان کے جانے پر اتفاقاً بارش ہوگئی بس اب کیا تھا کہنا شروع کیا کہ حضرت کے قدوم یا اقدام کی برکت سے بارش ہوگئی اور تماشا یہ کہ اسپر وہ بزرگ بھی خوش ہو رہے ہیں اور اتنے خوش ہو رہے ہیں کہ اگر ان بزرگ نے مسجد میں جاکر دو رکعت تحیۃ المسجد کی پڑھی ہوتی تو اسپر اتنے خوش نہ ہوتے حالانکہ یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ ان بزرگ ہی کی برکت سے بارش ہوئی ہے کسی غریب گمنام مسلمان کی دعا سے نہیں ہوئی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر غیب سے بھی آواز آجائے کہ یہ ان ہی بزرگ کی کرامت ہے تب بھی یہ اتنی خوشی کی بات نہیں جتنی کہ دو رکعت تحیۃ المسجد کا پڑھ لینا۔ بعضے بزرگوں نے تو مرتے وقت آرزو کی ہے کہ کاش ہم سے کوئی کرامت صادر نہ ہوتی کیونکہ جن سے دنیا میں کوئی کرامت ظاہر نہیں ہوئی اس کرامت کا عوض بھی انکو وہاں آخرت میں ملیگا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اگر کوئی غزوہ میں گیا اور کامیاب نہ ہوا تو اسکا عوض بھی اسکو آخرت میں ملیگا اسی طرح جن لوگوں سے یہاں کرامت ظاہر نہیں ہوئی انکو اس کا اجر بھی وہاں ملیگا اور میرا یہ مطلب نہیں کہ کرامت والوں کا اجر گھٹ جائیگا نہیں بلکہ جن سے ظاہر نہیں ہوئیں انکا اجر بڑھ جائیگا اسکے مناسب ایک حکایت یاد آئی۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے ایک مکان بنوایا تھا ابھی تعمیر ختم نہیں ہوئی تھی کہ روپیہ ختم ہوگیا۔ حضرت نے دعا فرمائی روپیہ مل گیا اور بقیہ تعمیر بھی ہوگئی اسی رات کو خواب میں دیکھا کہ جنت میں ایک عالیشان محل ہے مگر اسکا ایک کنگرہ ٹوٹا ہوا ہے۔ پوچھا کسکا ہے مولانا کا نام لیا گیا۔ پوچھا اسکا ایک کنگورا کیوں ٹوٹا ہوا ہے جواب ملا کہ اس کنگورے کو انھوں نے دنیا میں لے لیا یہ اشارہ اس طرف تھا کہ آپ نے دعا کی اور روپیہ ملا اور مکان پورا کر لیا مگر مولانا اپنے مقام کے اعتبار سے صاحب ناز تھے فرمانے لگے کہ

اے اللہ یوں تو ہم اپنا سارا محل دنیا ہی میں کھا جائیں گے آپ ہمکو اپنے دوسرے خزانہ سے دیجئے غرض جتنا یہاں ملجاتا ہے اتنا ہی وہاں کچھ فرق ہوجاتا ہے۔ سوال کیا گیا۔ کیا ضرورت سے زائد دنیا کی دعا مانگنا خلاف اولیٰ ہے۔ جواب میں فرمایا اجی حضرت یہ تو خواص کی باتیں ہیں باقی ہمارے لئے خلاف اولیٰ نہیں۔ بلکہ ہم کو تو ہر مباح کی دعا کرنا عبادت ہے۔ ہمکو تو ہر چیز کی دعا کرنا چاہئے خواہ وہ ضرورت کی ہو یا ضرورت سے زائد ہو۔ ہمارا اور حال اور خواص کا اور حال ہے ہمسے تو اگر رخصت پر عمل ہوجائے تو غنیمت ہے اور عزیمت پر عمل خواص کا کام ہے۔ یہ حکایت محض تائید کے طور پر ذکر کیگئی ہے اور چونکہ کرامت بھی خواص ہی کا حال ہے اسکے صدور سے بھی ایسے ہی معاملہ کا احتمال ہے اسی وجہ سے بعض نے تمنائیں کی ہیں کہ کاش ہم سے ساری عمر کوئی کرامت صادر نہ ہوتی مگر آجکل بڑی نظر جاتی ہے تو بزرگوں کی کرامت ہی پر اور کبھی تو وہ محض توہم ہی ہوتا ہے چنانچہ ایک میرا قصہ ہے کہ یہاں سے قریب ایک قصبہ ہے چرتھاول میں وہاں اپنے گھر میں کے علاج کیلئے گیا تھا میں نے وہاں ایک روایت اپنے متعلق سنی کہ مجھکو کسی نے تھانہ بھون میاں ظریف کے گھر بیٹھا ہوا دیکھا اگر میری کوئی بات نہوتی تو مجھکو اتنا خیال نہوتا مگر چونکہ وہ روایت میرے ہی متعلق تھی اور مجھکو اسوقت اپنا چرتھاول میں ہونا معلوم تھا اسلئے میں تھانہ بھون پہنچا۔ وہاں جاکر میں نے اس روایت کی تحقیق کی معلوم ہوا کہ مولوی محمد عمر صاحب کو میاں ظریف کے گھر کسی بچہ وغیرہ کے جھاڑنے کیلئے بلایا تھا وہ اور میں عمر اور جثہ میں قریب قریب تھے بس انکو کسی نے پشت کی طرف سے دیکھکر مجھکو سمجھا۔ یہ اصل تھی اس کرامت کی میں نے لوگوں کے مجمع میں اسکی حقیقت کا اعلان کیا۔ اور اگر میں اعلان نہ کرتا تو اس قصہ کی شہرت کرامت بنا کر ہو ہی جاتی انہیں خرابیوں کو دیکھکر میں نے اپنی وصیت میں یہ لکھدیا ہے کہ میری سوانح عمری نہ لکھی جائے۔ بات یہ ہے کہ آجکل بزرگوں کی سوانح عمریوں میں بہت مبالغہ کرتے ہیں ذراسی بات ہوتی ہے اور اسکو خواہ مخواہ اسقدر بڑھاتے ہیں کہ حد سے زیادہ میں نے خود ایسی سوانح عمری دیکھی ہیں چنانچہ آجکل ہی ایک ایسی ہی سوانح عمری ایک بزرگ کی چھپی ہے اسمیں یہی طرز اختیار کیا گیا حتی کہ نقائص کو تاویل کرکے کمالات میں داخل کر دیا جاتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ معائب و محاسن ہر ایک کے اندر ہوتے ہیں۔ ایسا کون ہے کہ جس کے اندر محاسن ہی محاسن

ہوں اور معائب نہوں سب بزرگوں میں محاسن بھی ہوتے ہیں اور معائب بھی تو اب ان
معائب کو خواہ مخواہ کھینچ تان کر محاسن میں داخل کرنا مجھکو پسند نہیں۔ چنانچہ اس سوانح عمری
میں بھی ایک ایسی ہی موقع میں ایک واقعہ کی ایسی پر تلبیس تقریر کی ہے کہ جس سے ناظر اول وہلہ
میں فوراً دہوکے میں آجاتا ہے۔ اسمیں ایک قصہ لکھا ہے اور اگر پہلے سے مجھکو وہ قصہ معلوم
نہ ہوتا تو میں بھی دہوکے میں پڑجاتا مگر چونکہ وہ قصہ میرے ہی ساتھ گذرا تھا اسلئے میں خوب
اس سے واقف تھا کہ واقعہ اصلی کیا تھا مگر اس سوانح عمری کے اندر بالکل برعکس کیا گیا ہے
اور اس طرح تقریر کی ہے کہ میری تو ایک کوتاہی دکھلائی اور آنکا کمال خیر مجھ میں تو ہزاروں
کوتاہیاں ہیں مجکو اس طرف التفات ہی نہیں لیکن بعض لوگوں کو یہ ناگوار ہوا اور انھوں نے
اس کے جواب کا ارادہ کیا مگر میں نے انکو روکدیا۔ چنانچہ مولوی عبد الحلیم صاحب نے غالبًا اس کا
جواب لکھا تھا یا لکھنے کو تھے اور مجھے اطلاع دی مگر میں نے انکو منع کردیا کہ اس سے جماعت میں
تفریق ہوتی ہے پھر اسکو میری طرف منسوب کیا جاویگا کہ یہ اسی کی کارروائی ہے ایک اور صاحب
نے یہ قصہ کتاب میں دیکھا تو انھوں نے بھی مجھ سے دریافت کیا میں نے اس شرط پر بیان کردیا
کہ تم کسی پر ظاہر نہ کرو۔ مگر خیر اس سوانح عمری میں اتنا غنیمت تھا کہ میرا نام ظاہر نہ کیا تھا غرض
یہ حالت ہے آجکل کی سوانح عمریوں کی۔ بس جناب اسی وجہ سے میں نے کہدیا ہے کہ بھائی میری
سوانح عمری نہ لکھی جاوے میں نے جو کچھ اپنے قلم سے مضامین لکھدیئے ہیں وہی میری سوانح
عمری ہے اسمیں میری وہ غلطیاں بھی ہیں جو دوسرا معتقد نہ لکھتا میں نے خود اسکو اپنے قلم سے
لکھدیا بس میں تو اسمیں خوش ہوں ہمارے بزرگوں کو اسکا اہتمام نہ تھا دیکھئے حضرت میانجیو
صاحب یعنی دادا پیر صاحب کی سوانح عمری کسی نے نہیں لکھی حضرت حاجی صاحب کی سوانح
عمری کسی نے نہیں لکھی۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رح کی سوانح عمری کسی نے نہیں لکھی۔ البتہ
مولانا محمد قاسم صاحب رح کی سوانح عمری مولانا محمد یعقوب صاحب نے لکھی تھی سو اول تو وہ
راوی بیشک ایسے تھے کہ ان سے زیادہ کس میں اس کام کی اہلیت ہوسکتی ہے دوسرے
روایت میں مختصر اتنی لکھی ہے کہ گویا نہ لکھنے ہی کی برابر ہے جتنی بھی لکھی ہے بالکل مغز ہے
مجھکو ان ہی عوارض کے سبب سوانح عمری سے دلچسپی نہیں اور میں کہتا ہوں کہ سوانح عمری میں

کیا رکھا ہے اصل چیز تو یہ ہے کہ جو ان بزرگوں میں کمالات تھے انکی پیروی کیجاوے البتہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری بیشک ضروری ہے اسلئے کہ ان واقعات سے احکام ثابت ہوتے ہیں جنکا اتباع کیا جاتا ہے پھر ان کے جمع کرنے میں احتیاط کس درجہ کیگئی ہے باقی بزرگوں کی ہر حالت قابل اتباع تھوڑا ہی ہے۔ اور میں نے جو حضرت حاجی صاحبؒ کی ایک تازہ اور مختصر سوانح عمری لکھی ہے سو اسکی وجہ بھی یہ ہوئی کہ ایک صاحب ہیں پٹواری انھوں نے مجھسے کہا کہ میں نے اقتباس الانوار کا ترجمہ لکھا ہے جسمیں انکے سلسلہ کے کئی بزرگوں کی سوانح عمری ہے اور ان بزرگوں کے بعد جو اب تک بزرگ ہوئے ہیں ان کے متعلق بھی کچھ لکھا ہے اور حضرت حاجی صاحب کے حالات میرے قابو سے باہر ہیں لہذا آپ میری امداد کیجئے تب انکے کہنے سے میں نے امداد المشتاق لکھی۔ ورنہ مجھکو ان قصوں سے دلچسپی نہیں ؏

باقصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم ․ از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

نیز آجکل کی سوانح عمریوں میں ہوتا ہی کیا ہے سوائے غیر مفید قصوں اور کہانیوں کے حالانکہ دیکھنے کی بات تو یہ تھی کہ مثلاً اس مسئلہ میں ان بزرگ کی کیا تحقیق تھی یا فلاں موقع پر وہ کیا تعلیم فرماتے تھے اب یہ باتیں تو لکھتے نہیں غیر ضروری قصے لکھتے ہیں۔ مولانا گنگوہی حضرت حاجی صاحبؒ کے عاشق زار تھے مگر میں نے جب ایک مرتبہ مولانا سے عرض کیا کہ حضرت ــــ حاجی صاحب کی کچھ کرامتیں جمع کرنے کو دل چاہتا ہے اگر کوئی کرامت یاد آوے تو بیان فرما دیجئے۔ تو مولانا نے فرمایا کہ بھائی ہمنے تو حضرت حاجی صاحبؒ کو کبھی اس نظر سے دیکھا ہی نہیں۔ نہ ہماری نظر کبھی اس طرف گئی۔ اگر ہم حضرت حاجی صاحب کی کرامتیں جمع کرتے تو سیکڑوں جمع ہو جاتیں خیر کوئی بات یاد آگئی کہدونگا اسی زمانے میں حضرت کی بینائی جاتی رہی تھی۔ پس جب کوئی بات یاد آتی تو فرماتے کہ اشرف علی موجود ہیں جواب دیا جاتا کہ ہاں ہیں فرماتے لو بھائی ایک بات یاد آگئی اور پھر اسکو بیان فرماتے ایکبار فرمایا کہ بھائی طبیعت چاہتی ہے کہ تیس پوری ہو جائیں پس جب تیس کا عدد پورا ہو گیا تو میں نے خود حضرت سے عرض کر دیا میں اگر اطلاع نہ کرتا تو حضرت مولانا شاید اور بھی ذکر فرماتے مگر میں نے خیال کیا کہ بزرگوں کو دھوکا نہ دینا چاہیے کہ بے ادبی

چنانچہ میں نے اطلاع کردی سو مجھکو حضرت مولانا کی یہ بات بہت پسند آئی کہ بھائی اس نظر
سے تو ہم نے حضرت حاجی صاحبؒ کو کبھی دیکھا ہی نہیں اھ۔ اور فرمایا کہ اکثر ایسی سوانح
عمری لکھنے والوں کی نیت ہی درست نہیں ہوتی ہے بلکہ ایسی باتونکو سوانح عمری میں درج کرنے
سے کبھی تو جاہ مقصود ہوتی ہے کہ ہم ایسے شخص کی طرف منسوب ہیں اور کبھی مال مقصود
ہوتا ہے کہ لوگ خوب خریدینگے۔

(۱۷) ۱۸ ستمبر ۱۹۳۰ء ایکبار فرمایا کہ رات نیند کم آئی اسلئے بدن میں درد ہے ڈاک بھی مشکل سے لکھی
گئی ہے۔ پوچھا کیا حضور شب کو اوس میں سوئے تھے فرمایا کہ جی میں تو ہمیشہ اوس میں باہر کرتا آتا
کر سوتا ہوں خشکی سے جی گھبراتا ہے جس رات نہیں پالا پڑتا ہے تو صبح کو جب باہر ٹہلنے جاتا ہوں
تو قصداً ذرا خنکی اوس ہاتوں سے پاؤں سے لگاتا ہوں تو اچھی لگتی ہے میرے مزاج میں اتنی حرارت
ہے اس حرارت ہی کی وجہ سے اتنی حدت بھی ہے اگر دوسرے کا مزاج اتنا گرم ہو تو وہ اتنا ضبط نہ
کر سکے مگر میں بہت ضبط کرتا ہوں اور اسی حرارت مزاج کا یہ بھی اثر ہے کہ اتنے سے تھوڑے
زمانہ میں بحمد اللہ تعالیٰ اتنی تصانیف ہوگئیں ٹھنڈے مزاج والے سے اتنی تصانیف تھوڑا ہی
ہو سکتی تھیں۔ اور حضرت حاجی صاحبؒ کی دعا کا بھی اثر ہے مکہ معظمہ میں حضرت مرشد
علیہ الرحمۃ کے حکم سے تنویر کا ترجمہ لکھا کرتا تھا حضرت کو سنا بھی دیتا ---- ایکبار حسب معمول
سنایا تو حضرت نے دریافت فرمایا کتنی دیر میں لکھا ہے میں نے عرض کیا اتنے وقت میں لکھا ہے
فرمایا اتنے سے وقت میں کوئی اتنا مضمون نہیں لکھ سکتا اور بہت دعائیں دیں۔ میں نے
ابھی اپنی تصانیف کا شمار کیا تو پانچسو انتیس ۲۹ ہوئی ہیں اور اس طرح شمار نہیں کیگئی کہ
مثلاً اگر تفسیر کی بارہ ۱۲ جلدیں ہیں تو بارہ ۱۲ شمار کر لی گئی ہوں بلکہ اسکو ایک شمار کیا گیا ہے ایک
کتاب اور لکھ رہا ہوں انشاء اللہ پانچسو تیس ۵۳۰ ہو جائیں گی (چنانچہ وہ بھی پوری ہوگئی اور یہ
عدد ربیع الاول سنہ ۴۹ھ کے ختم تک تھا اور اسکے بعد کی ابتک اسکے علاوہ ہیں)

(۱۸) رفاہ عامہ کا کوئی کام کرنیکا طریقہ۔ ایک صوبہ دار صاحب نے عرض کیا کہ حضرت
میں اپنے یہاں لوہاری میں ایک دینی مدرسہ قائم کرنا چاہتا ہوں دعا فرما دیجئے حضرت نے
فرمایا کہ تم اپنا کام شروع کردو لڑکے لیکر بیٹھ جاؤ اور پڑھانا شروع کردو۔ کہا حضرت کیا دیہات میں

پڑہانا شروع کردوں۔ فرمایا ہاں ویرانہ ہی میں لڑکوں کو۔ آپ تو پڑہانا شروع کردو جب کوئی پوچھے کہدو کہ اتنا ہی ہمارے اختیار میں تھا وہ ہم نے کرلیا آگے اللہ تعالیٰ مالک ہے بس آپ اپنا کام کیجیے۔ اللہ تعالیٰ عمارت بھی سب بنوادیگا اور مدرسہ بھی جاری کرادیگا۔ کانپور میں جب میں پڑہاتا تھا تو مدرسہ کی مسجد میں طلبا رکیلیے ایک حوض تیار کرانیکی ضرورت ہوئی اور روپیہ تھا نہیں اور چندہ مانگنے کو کسی سے طبیعت نے گوارا نہ کیا بس میں نے مدرسہ والوں سے کہا کہ تم اپنے اختیار کا کام کردو اور ایک جگہ معین کرکے گڑہا کھدوادو چنانچہ دو چار آنے دیکر اس حوض کو کھدوادیا گیا اور چھوڑ دیا گیا لوگ دریافت کرتے کہ یہ کیا ہے ہم کہتے حوض ہے جتنی ہمارے اندر طاقت تھی اور جتنا سامان ہمارے پاس تھا اتنا تو ہم نے کرلیا آگے اللہ تعالیٰ مالک ہیں۔ دو ایک دن تو یونہی پڑا رہا اسکے بعد ایکدن محلہ میں ایک بڑی بی نے مجھکو اپنے گھر بلایا جو پہلے بھی کبھی کبھی ایسا کیا کرتی تھیں۔ اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک حوض کی تجویز ہے تو اسکا کیا انتظام کیا گیا ہے میں نے کہا کہ جتنا کام ہمارے اختیار میں تھا اتنا کرادیا۔ کہنے لگیں کیا تخمینہ ہے میں نے کہا پانچ سو روپیہ کہنے لگیں میں دونگی مگر میرے سوا کسی اور کی رقم نہ لگے۔ اب اور لوگ آنے شروع ہوئے صاحب ہمارے پانچ روپیہ قبول کرلیجیے ہمارے دس روپیہ قبول فرمائیے میں نے کہدیا کہ ایک بی بی نے ایسا کہدیا ہے کہ میرے سوا کسی اور کی رقم اسکے اندر نہ صرف ہو) ہاں ایک سائبان کی تجویز ہے کہ اسکے اوپر ڈالا جائے کہنے لگے کہ صاحب تو پھر ہم اسی کیلیئے دیتے ہیں اسی میں یہ روپیہ صرف کرلیئے جاویں چنانچہ اسی طرح سائبان بھی تیار ہوگیا۔ اور حوض بھی تیار ہوگیا غرض ہی نہ کرنا پڑا اور حوض تیار ہوگیا نیز تھوڑا سا کام شروع کردینے سے کام قابو میں رہتا ہے پھر وہ جتنا کام بڑہتا جاتا ہے اتنے ہی کام کرنے والے کی قوت (عملیہ) بڑہتی جاتی ہے اور کام قابو میں رہتا ہے ایک لڑکی ایک گائے کو کوٹھے پر لیکر چڑہجاتی تھی ایک شخص نے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ جب یہ پیدا ہوئی تھی اسی روز سے میں نے اسکو کوٹھے پر لیجانا شروع کیا تھا چنانچہ ابتک لیجاتی ہوں۔

(۱۹) فرمایا جو شخص کو صحیح پڑہنے پر قادر (بالفعل) ہو اور پھر صحیح نہ پڑہے تو اسکی نماز میرے

نزدیک نہوگی اور جو قادر ہی نہو اسکی ہو جائیگی مثلاً کسی شخص نے مشق ہی نہیں کی تو وہ
قادر (بالفعل) نہیں اسکی نماز ہو جائیگی اور جو قادر ہو مثلاً کسی کو ض صحیح طور پر نکالنا آتا
ہے اس نے مشق کی ہے اور وہ صحیح نکال لیتا ہے تو اسکی نماز میرے نزدیک نہ دال پڑھنے
سے ہوگی نہ ظ سے اور فقہا نے جو بعض جگہ ض کو ظ پڑھنے سے فساد نماز کا حکم نہیں کیا
نماز کو جائز کہا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہاں پر ض کو ظ پڑھنے سے فساد معنی
نہیں ہوتا ہے ورنہ ہر جگہ ض کو ظ پڑھنے سے تھوڑا ہی نماز صحیح رہے گی باقی جو قادر ہو
ض کو صحیح اپنے مخرج سے نکالنے پر اور پھر کسی وجہ سے مثلاً لوگوں کے برا بھلا کہنے کے ڈر سے
دوالین پڑھے یا ظالین پڑھے اور ضاّلین میں ض کو اپنے مخرج سے اور صحیح نہ پڑھے تو
اسکی نماز نہوگی اور نہ اسکی امامت جائز ہے اور جو صحیح نکالنے پر قادر نہو تو اسکی امامت
نماز سب جائز ہے۔ لیکن اسکو جب کوئی ایسا شخص مل جاوے جو صحیح نکالنے کی مشق
کرا سکتا ہے تو اگر اسوقت کوئی مشق نہ کریگا تو گنہگار ہوگا گو جب تک صحیح نہو اسوقت تک
ایسے لوگوں کی نماز صحیح ہوتی رہے گی غلط پڑھنے سے بھی مگر سیکھنا واجب ہوگا اور نہ سیکھنے
سے گنہگار رہیں گے خواجہ صاحب نے دریافت کیا کہ ہم جو اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں
تو ہم تو اسکی تحقیق نہیں کرتے کہ یہ امام ض کے صحیح نکالنے پر قادر ہے یا نہیں اور اس نے
مشق کی ہے یا نہیں ایسی صورت میں اسکے پیچھے نماز صحیح ہو گی یا نہیں۔ فرمایا کہ آپکو اسکے
تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں آپکی نماز ہو جاویگی کیونکہ آپ معذور ہیں نیز چونکہ بغیر مشق
کے کوئی شخص صحیح نکالنے پر قادر ہو نہیں سکتا۔ اسلئے عام طور پر یہی کہا جاویگا کہ لوگ
ض کے صحیح نکالنے پر قادر نہیں ہیں اسلئے اگر کہیں جماعت سے نماز ہو رہی ہو تو وہاں
امام کے متعلق یہ تحقیق کی ضرورت نہیں کہ یہ قادر ہے یا نہیں بلکہ تحری کرلے اگر غالب
گمان ہیں وہ قادر نہیں تو بلا تحقیق بھی ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے اور فرمایا کہ ہر شخص
پر واجب ہے کہ صحیح مخرج سے نکالنا شروع کر دے چند دن تک غلط نکلیگا تو اسوقت تک
ایسی حالت میں جب تک صحیح نہ نکلے معذور ہے خواہ کچھ ہی نکلے د یا ظ ہی کیوں نہ نکلے
پھر چند دن مشق کے بعد صحیح نکلنے لگیگا اور جو شخص صحیح اپنے مخرج سے (بغیر قاری کے بھی محض

کتاب میں ض کا مخرج دیکھکر نکالنے کی کوشش کر رہا ہے تو پھر خواہ اس کے منہ سے کچھ ہی کیوں نہ نکلے وہ معذور ہے۔ جواباً فرمایا کہ اگر کوئی غیر قادر ہم سے پوچھیگا کہ صاحب میں کیا پڑھوں تو ہم یوں کہینگے کہ تم ض کو اپنے صحیح مخرج سے نکالنے کا قصد کرو پھر خواہ کچھ ہی نکلے معذور ہو باقی یہ نہ کہیں گے کہ دالین پڑھو یا ظالین پڑھو۔

(۲۰) فرمایا کہ درود کا مخفف جو لوگ لکھتے ہیں (صلعم) یہ مناسب نہیں گویا یہ درود سے ناگواری اور تنگی کی دلیل ہے۔ اور اگر کوئی شخص حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک لکھے اور نہ زبان سے درود پڑھے اور نہ پورا درود کا صیغہ لکھے تو صرف صلعم لکھنا بالکل ناکافی ہے بلکہ پورا درود لکھنا یا زبان سے کہنا واجب ہے۔ پھر رضی اللہ عنہ کا مخفف (رض) جو لوگ لکھتے ہیں اسکے متعلق فرمایا کہ مراتب کے تفاوت سے شاید کچھ تفاوت ہو جاوے مگر نفس حکم تو مشترک ہے۔ ایک مولوی صاحب نے حکایت سنائی کہ جس شخص نے اول اول صلعم لکھا تھا تو اس نے شب کو خواب میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ جیسے تونے میرے درود کو قطع کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ کو قطع کرے چنانچہ صبح ہی کوئی واقعہ ایسا پیش آیا کہ اس کا ہاتھ قطع کر دیا گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ جیسا کہ لوگوں نے حضور کے درود میں اختصار کر لیا ہے اگر ایسا ہی اختصار کا برتاؤ حضور بھی ہمارے ساتھ کرنے لگیں تو پھر بھلا ہمارا کہاں ٹھکانا ہے۔ میرے نزدیک درود میں ایسا اختصار کرنا مناسب نہیں اور میں اسی کو ترجیح دیتا ہوں کہ صلعم لکھنا کافی نہیں اسوقت متعدد مشاہیر حضرات اہل علم تشریف رکھتے تھے اور اس مسئلہ میں اظہار رائے فرما رہے تھے اسوقت فرمایا کہ یہ موقع ادب کا ہے حضور کے حقوق ہم پر بے حد ہیں میں اسمیں زیادہ کاوش کو مناسب نہیں سمجھتا پھر فرمایا میں نے اس کاوش کے متعلق ایک عجیب قصہ سنا ہے ایک صاحب حاجت سید کسی عالم کے یہاں گئے اور ان سے اپنی حاجت کا اظہار کیا اور امداد چاہی اور ظاہر کیا کہ میں سید ہوں انھوں نے کہا کیا دلیل ہے کہ تم سید ہو انھوں نے کہا کہ دلیل تو کچھ نہیں میں آپ ہی کہ رہا ہوں انھوں نے کوئی امداد نہیں کی۔ رات کو انھوں نے خواب دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور انکو شدت کی پیاس لگی ہے اور کہیں پانی نہیں تھا

انھوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور حوض کوثر پر امت کو پانی پلا رہے ہیں تو یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں بھی پانی پینا چاہتا ہوں۔ فرمایا تم کون ہو عرض کیا آپکا امتی ہوں۔ فرمایا کیا دلیل ہے اسکی کہ تم ہمارے امتی ہو عرض کیا یا رسول اللہ دلیل تو کچھ بھی نہیں بس خود عرض کر رہا ہوں فرمایا خود تمھارا قول کیسے حجت ہو سکتا ہے جبکہ ہماری اولاد کا خود قول حجت نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے کہ یہ جو بعض جگہ موئے مبارک کے نام سے پایا جاتا ہے اسکے متعلق زیادہ کاوش نہیں چاہئے۔ اس سے کوئی حکم شرعی تو متعلق ہے نہیں محض زیارت سے برکت حاصل کرتا ہے سو اسکے لئے دلیل ضعیف بھی کافی ہے

(۲۱) دہلی سے ایک فتوی آیا جسکے اندر یہ سوال تھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدی اسکے بعد اس سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ کیا تم نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے اسنے کہا ہاں دیدی اسکے بعد ایک دوسرے شخص نے پھر بھی دریافت کیا تب بھی اس نے یہی کہا کہ ہاں میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ تو یہ دوسری طلاق ہوگی یا پہلی طلاق کی حکایت ہوگی حضرت نے یہ فتوی مشاہیر حضرات اہل علم کو جو اسوقت مجلس شریف میں موجود تھے سنایا ان حضرات نے اپنی رائے کا اظہار فرمایا جسمیں زیادہ کی رائے حکایت کی تھی تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جی ہاں میرے جی کو بھی یہی لگتا ہے مگر جب تک کوئی اس قسم کا جزئیہ نہ ملجائے محض کلیات سے استنباط اور تعلیل کرکے جواب دینے کی ہمت نہیں پڑتی اسلئے کہ ہم جیسے لوگوں سے تعلیل کے اندر بھی غلطی ہو جاتی ہے جیسے کہ کبھی جزئیہ دیکھکر جواب لکھنے سے بھی غلطی ہو جاتی ہے مگر جزئیہ دیکھکر لکھنے سے جو غلطی ہوتی ہے تو وہ جب ہوتی ہے کہ جب ایک ہی کتاب میں جزئیہ دیکھکر جواب لکھدیا جاوے تو اسلئے اسکی بھی ضرورت ہے کہ وہ جزئیہ بھی متعدد کتب کے اندر دیکھکر لکھے انشاء اللہ پھر غلطی نہ ہوگی۔ پھر فرمایا کہ اگر کوئی جزئیہ نہ ملے تو میں (محض کلیات سے) جواب نہ دونگا لکھدونگا کہ دیوبند یا سہارنپور سے دریافت کرلو۔ (اس سے حضرت حکیم الامۃ کی نہایت احتیاط اور تقوی ثابت ہے اور یہ کہ حضرت کے طرز عمل سے کوئی شخص حضرت کے کمالات کو نہیں پہچان سکتا)۔

(۲۲) فرمایا آجکل ایک شخص کے مرض کا ایک نیا علاج میری سمجھ میں آیا ہے وہ یہ کہ
ایک طالب علم مجھکو جو خط لکھتے تھے وہ تکلف کی تحریریں لکھتے اور مجھسے اپنی اصلاح کا تعلق
بھی رکھتے ہیں میں نے انکو اس غلطی پر بارہا متنبہ کیا کہ عبارت آرائی میں مشغول ہونا اچھا
نہیں مگر ان سے اس مرض کا انفکاک ہی نہیں ہوتا تھا بعض مرتبہ سخت الفاظ سے بھی
میں نے منع کیا مگر اثر ندارد۔ ایکبار میرے پاس انھوں نے اپنا ایک قصیدہ بھیجا اس میں
بڑے بڑے لغات تھے میں نے اس موقع پر بھی انکو متنبہ کیا اور اس طرح کیا کہ لکھا کہ
اللہ تعالیٰ آپکو جزائے خیر دے آپ کا قصیدہ پڑھکر مجھکو اپنے جہل پر اطلاع ہوئی کیونکہ
میں اسکو نہیں سمجھا اسپر انھوں نے معافی مانگی مگر اسکے بعد پھر وہی حرکت ایکبار کہنے لگے
کہ صاحب میری ایسی عادت پڑگئی ہے کہ چھوٹتی ہی نہیں آخر میں نے یہ علاج کیا کہ ان سے
کہا کہ جب تم اپنا خط میرے پاس بھیجنا چاہو تو اس خط کو تم خود مت لکھو بلکہ کسی دوسرے
ایسے شخص سے لکھواؤ کہ جسکی بہت ہی کم استعداد تم سمجھتے ہو۔ اسکے بعد تم خود اس مضمون
کی نقل بعینہ کرکے اس اصل کے ہمراہ میرے پاس بھیجو۔ آج بحمد اللہ ایسا ہی انکا پرچہ آیا ہے
یہ سب سے اچھا علاج ہے اس سے بہت تھوڑے دنوں میں انشاء اللہ تعالیٰ انکا یہ مرض
جاتا رہیگا جیسے بعض جڑی بوٹیوں سے بعض مرتبہ علاج کیا جاتا ہے دیکھنے میں تو وہ جڑی
بوٹی معمولی چیز ہے مگر دراصل وہ اکسیر ہوتی ہے اسی طرح اس طریق باطن میں بعض علاج
بظاہر معمولی معلوم ہوتے ہیں مگر درحقیقت وہ اکسیر ہوتے ہیں میں نے انکو لکھا ہے کہ جب
تم خط بھیجو ایسا ہی کرو اب جب وہ خط لکھنے بیٹھیں گے انکو اسکا استحضار ہوگا دوسرے کو
واسطہ بنائیں گے اس سے اپنی حاجت کا اظہار کرنا پڑیگا ایک شخص نے سوال کیا کہ اگر
کوئی ایسی عبارت بے تکلف لکھ سکتا ہو فرمایا تب بھی ایسے تکلف کو قصداً ترک کرنا چاہیے
اسلئے کہ من تشبہ بقوم فھو منھم اہل تکلف سے تشبہ تو ہوا خاصکر جبکہ ایسا تکلف
اسکے مصلح کو ناگوار بھی گذرتا ہو جسکی وجہ علاوہ تکلف یا تشبہ کے ایک یہ بھی ہے کہ اصل
مقصود ایسی عبارتوں میں مخفی و مستور ہو جاتا ہے باقی عبارت مہمل بھی نہ لکھے بلکہ یہ دیکھ لے
کہ میرا مطلب بھی اس عبارت سے ادا ہو گیا یا نہیں اسکے بعد اسی تکلف کے سلسلہ میں

یہ بھی فرمایا کہ جسکو اپنے سے بڑا سمجھے اُسکی ساتھ ایسا برتاؤ ادب کے بھی خلاف ہے اور اسپر نواب ڈہاکہ کا قصہ بیان فرمایا کہ اُنکا لباس ہیں نے بہت بے تکلف دیکھا اُن کے ایک مصاحب نے وجہ پوچھی کہ آپ کا معمول ایسے سادہ لباس کا تو نہیں تھا انھوں نے جواب دیا کہ آدمی جسکو اپنا بڑا سمجھے اُسکے سامنے اُس کے کپڑوں سے زیادہ قیمتی کپڑے پہننا بے ادبی ہے بلکہ اسکے سامنے اپنی ہر چیز کو گھٹا ہوا رکھنا چاہیے۔ پھر ایک سوال کے جواب میں فرمایا تحسین و تزئین اور چیز ہے تکلف اور چیز ہے۔

(۲۳) فرمایا مولانا محمد یعقوب صاحب بہت بڑے ادیب تھے فرماتے تھے کہ عبارت میں قافیہ وغیرہ بالقصد نہیں لانے چاہئیں اس سے معنی تابع الفاظ کے ہوجاتے ہیں حالانکہ الفاظ کو معانی کے تابع رکھنا چاہیے اگر بلا قصد کوئی قافیہ آجائے دوسری بات ہے تکلف نکرے۔

(۲۴) فرمایا محبت عقلی یہ کہ انسان اپنی طبیعت کو شریعت پر عمل کرنے کی طرف متوجہ کرے اور یہ اختیاری ہے اسی طرح خشیت عقلی یہ ہے کہ انسان اپنی طبیعت کو متوجہ کرے امور منکرہ سے رکنے کی طرف پھر ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ حب عقلی اور دوام اتباع میں گویا ترادف ہے۔

(۲۵) فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تصرف متعارف کہیں منقول نہیں اور ایک حدیث میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اب مجھکو اپنے نفس سے بھی زیادہ آپکی ساتھ محبت ہے تو اس سے تصرف پر استدلال نہیں ہوسکتا جیسا بعض نے کہا ہے کہ اس سے پہلے تو انھوں نے بجز اپنے نفس کے اور سب چیزوں سے آپکا زیادہ محبوب ہونا عرض کیا تھا اتنی جلدی اتنا تغیر یہ آپ کے تصرف سے ہوا سو یہ استدلال اسلیئے صحیح نہیں کہ حدیث میں دوسرا احتمال بھی ہے کہ پہلے صحیح تفسیر نہ سمجھے تھے پھر صحیح تفسیر سمجھ گئے

(۲۶) فرمایا لوگ میرے متعلق کہتے ہیں کہ جو احتساب تمھارے یہاں ہے وہ پہلے قریب کے بزرگوں میں نہ تھا تو میں اسکا قواعد سے یہ جواب دیا کرتا تھا کہ اُس زمانہ کے عوام ایسے ابتر نہ تھے جیسے اسوقت کے ہیں لہذا ان بزرگوں کو ایسے احتساب کی ضرورت نہ تھی اور

اب چونکہ عوام کی حالت میں تبدیلی ہوگئی لہذا ایسے قواعد وضوابط کے مقرر کرنے کی
ضرورت پڑی مگر بفضلہ تعالیٰ اب مجکو اسکی ایک جزئی نظیر بھی حدیث میں ملگئی وہ یہ کہ
حدِ خمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں معین نہ تھی نہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ
میں اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانہ میں لیکن جب شراب نوشی کی کثرت
ہوئی تو عمال نے گرد ونواح سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ یہاں کثرت سے لوگ
شراب نوشی کرتے ہیں اسپر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حد خمر معین کرنا چاہا تو تمام صحابہ کو
مشورہ کیلئے جمع کیا مختلف حضرات کی مختلف رائیں ہوئیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے
ایک تقریر کی جسمیں فرمایا کہ جب آدمی شراب پیتا ہے اکثر اُس کے نشہ میں ہذیان بکنے
لگتا ہے جسمیں ممکن ہے کہ کوئی ایسی بات اُسکی زبان سے نکل جاوے جس سے کسی پر تہمت
لگ سکے اور تہمت کی حد اسّی درّے ہے لہذا اسّی درّے معین ہونے چاہئیں چنانچہ
بالاتفاق اسّی درّے مقرر کئے گئے وہی اسّی درّے ابتک مقرر ہیں تو جو اعتراض لوگ
مجھپر کرتے ہیں کہ یہ احتساب جو تم نے قائم کر رکھا ہے وہ پہلے نہ تھا یہی اعتراض حضرت
عمر رضی اللہ عنہ پر بھی ہوتا ہے کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراب پر کوئی
حد معین نہ تھی نہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں
شراب پر کوئی احتساب کیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نئی بات کیوں ایجاد کی اور
کیوں اتنی سختی کی تو اسکا یہی جواب دیا جاویگا کہ اُس زمانہ میں لوگ اتنی شراب نوشی
کرتے نہ تھے لہذا اسکی ضرورت نہ تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عوام کی حالت
میں فرق آگیا اور لوگوں نے زیادہ شراب نوشی شروع کردی تو پھر شراب پر احتساب
کی بھی ضرورت ہوئی ایسے ہی میں کہتا ہوں کہ پہلے زمانے کے عوام میں اور آجکل کے عوام میں
زمین آسمان کا فرق ہوگیا ہے پہلے بزرگوں کے زمانہ میں جو عوام الناس کی حالت تھی وہ
حالت آجکل کے عوام الناس کی نہیں مثلاً جو خلوص وسادگی پہلے تھی اب اُسکا نام ونشان
نہیں اسلئے اب معالجہ کی صورت بھی بدل گئی۔ اس تبدل حالت پر فرمایا کہ آج ایک
حدیث نظر سے گذری جسکا خلاصہ یہ ہے کہ آئندہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ اس زمانہ

میں لوگ بھیڑیئے ہوجائیں گے اور جو شخص اُس زمانہ میں بھیڑیا نہ بنے گا تو اس شخص کو لوگ
کھا جائیں گے۔

(۲۷) فرمایا میں نے اپنے تعلق کے بعض مدارس کو بارہا لکھا کہ جیسے آپ کے یہاں مدرسین
کو تنخواہ وغیرہ ملتی ہے اور گویا یہ تعلیم وتدریس ایک تبلیغ خاص ہے اسی طرح مدرسہ سے تبلیغ عام
کا انتظام اور مبلغ کو تنخواہ دینا چاہئے اور چند مبلغ تنخواہ دار مدرسہ کیطرف سے نوکر رکھے جاویں
اور انکو اطراف وجوانب میں بھیجا جاوے اور انکو تاکید کیجاوے کہ چندہ نہ مانگیں صرف احکام
پہونچائیں مگر کسی نے اسکی طرف توجہ نہیں کی حالانکہ اس سے بہت نفع کی امید تھی بلکہ اس سے
چندہ بھی زیادہ وصول ہوتا۔ میں نے یہاں کی حیثیت کے موافق دو مبلغ یہاں تجویز کر کے باہر
بھیجدیے ہیں اور انکو سخت ہدایت کردی ہے کہ اگر کوئی شخص تمکو کچھ دے تو ہرگز مت لو
اگر کوئی مدرسہ کیلئے چندہ بھی دے تو صاف انکار کردو چنانچہ بعض مرتبہ وہ کچھ چندہ میرے
پاس لائے کہ صاحب فلاں شخص نے بہت اصرار کیا اسلئے ہم لے آئے ہیں۔ میں نے کہا جاؤ واپس
کرکے آؤ ہرگز مت لو کہدو کہ تم خود جاکر دیدو یا منی آڈر کردو چنانچہ اس سے اتنا نفع ہوا کہ میں کچھ
بیان نہیں کرسکتا بیحد نفع ہوا ہے بعض جگہ تو صرف ایک تقریر سے پورا گاؤں کا گاؤں نمازی
ہوگیا۔ اب لوگ انکے مشتاق ہوگئے ہیں بلاتے ہیں اور بے تکلف اپنے دل کی بات ظاہر
کرتے ہیں کہ صاحب پہلا پیر اور لوگ آتے تھے انکو ہمیں نذرانہ الگ دینا پڑتا تھا کھانا الگ کھلانا
پڑتا تھا تنگ آجاتے تھے تو حضرت استغنا میں بڑا اثر ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے جگہ جگہ انبیاء
علیہم السلام کو اسکی تعلیم فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرًا ایک جگہ ہے
لا اسئلکم علیہ مالًا کہیں ارشاد ہوتا ہے ام تسئلھم خرجًا فخراج ربک خیر ایک جگہ
ہے ام تسئلھم اجرًا فھم من مغرم مثقلون۔ عنایت خانصاحب نے عرض کیا کہ حضرت
کو یاد ہوگا کہ سہارنپور میں فلاں موقع پر عجیب قصہ پیش آیا تھا فرمایا جی ہاں پھر حضرات حاضرین
کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ میں ایکبار جلسہ میں سہارنپور گیا ہوا تھا حسب عادت صبح کیوقت
باہر ٹہلنے کیلئے چلا گیا چند احباب بھی ساتھ تھے چلتے چلتے ایک گاؤں کے قریب پہونچ گئے ایک
شخص اودہر سے آرہا تھا اُس سے اس گاؤں کا نام پوچھا محض اسلئے کہ احباب میں تذکرہ کرینگے

کہ آج فلاں گاؤں تک گئے تھے تو وہ کیا کہتا ہے اجی اس گاؤں کا نام فلاں ہے اور اس
گاؤں میں ایک رحمت اللہ تیلی ہے بڑا ہنگر ہوا ہے اور کہنے لگا کہ صاحب وہ مولویوں کو خوب دیتا لیتا ہے
میں نے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ لوگ ملانوں کی صرف صورت دیکھ کر ہی یہ سمجھتے ہیں
کہ یہ گداگر ہیں (خیر اس بیچارہ نے اپنے نزدیک تو گویا میری خیر خواہی کی) جلسہ میں میرا وعظ
بھی تھا میں نے وعظ میں یہ حکایت بھی بیان کی اور میں نے کہا کہ جناب یہ خرابی اہل علم کے
توسع کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے انہیں صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اس وعظ میں بہت
چندہ آیا تھا فرمایا جی ہاں میں نے اس وعظ میں صاف کہدیا تھا کہ ہم آپ سے چندہ نہیں
مانگتے ہم تو آپ لوگوں کو احکام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ باقی احکام کی حفاظت کیلئے اہل علم
کی ایک جماعت کی ضرور ضرورت ہے اور اس جماعت کا بقا ظاہراً اسی صورت سے
ہے کہ جا بجا مدارس ہوں انمیں تعلیم و تعلم ہو جسکے لئے عادۃً چندہ بھی ضرور ہے مگر ہم آپ سے
نہیں مانگتے اور یے مانگے دینے سے اگر ہم لے لیں تو ہم اسمیں عامل لغیرہ ہیں عامل بنفسہ نہیں
ہمیں کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ جھگڑے لیں پڑیں۔ آپ سے مانگیں اور وصول کریں پھر اسکی
حفاظت کریں حساب و کتاب لکھیں پھر سب سے زیادہ یہ مشکل ہے کہ اس کے مصرف میں اسکو
صرف کریں اور غیر مصرف میں اسکو صرف نہونے دیں پھر حساب کتاب شائع کریں سو یہ کام
سب تمہارے ہیں ہمارا احسان ہے کہ تمہاری طرف سے ہم کر دیتے ہیں اگر ہم پر بدگمانی ہے
تو ہمکو ایک پیسہ مت دو۔ ہمیں اور سیکڑوں کام ہیں اسکو اگر ثواب کی بات سمجھتے ہو خود کرو
ہم ہی کیوں کریں یہ تھی میری تقریر استغنا کی جسکا بیحد اثر ہوا اور جناب میں تو یوں کہتا ہوں
کہ اگر استغنا ریا سے بھی ہو تب بھی اسمیں کشش ہوتی ہے اور اگر اخلاص کیساتھ ہو تو پھر کیا کہنا ہے

(۲۸) ایک صاحب ضلع انبالہ سے تشریف لائے اور عرض کیا کہ میں ملاقات کیلئے حاضر
ہوا ہوں اور میرے اندر بہت بولنے کا مرض بھی ہے اسکا علاج چاہتا ہوں۔ فرمایا زبان خودبخود
چلتی ہے یا چلانے سے چلتی ہے عرض کیا اجی چلانے سے چلتی ہے۔ فرمایا کہ بھائی یہ تو تمہارے اختیار میں ہے مت چلاؤ
(حاضرین مجلس اسوقت حیران تھے کہ ایک منٹ میں حضرت نے طالب کو کہاں سے کہاں
پہنچا دیا اور اتنے مشکل مرض کا علاج چٹکیوں میں کر دیا)

یک زمانے صحبتے با اولیا — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(۲۹) فرمایا ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ مجھ میں امرد پرستی کا مرض ہے اور ایک لڑکے سے میرا تعلق ہو گیا ہے میں نے اول اپنے شیخ سے رجوع کیا انھوں نے مجھکو ایک وظیفہ پڑھنے کو بتلایا کہ تم یہ پڑھو اسکے پڑھنے سے تمھارے اندر سے یہ مرض جاتا رہیگا اور اُس لڑکے سے تعلق نہ رہیگا میں پڑھا کیا مگر کوئی فائدہ نہوا تو پھر میں نے اُن سے عرض کیا تو انھوں نے ایک دوسرا وظیفہ بتلا دیا مگر اُسکا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا تو پھر آخر کار لوگوں نے مجھکو یہ رائے دی کہ حضور سے میں اپنے اس مرض کا علاج کراؤں لہذا عرض ہے کہ حضور والا میرے اس مرض کا علاج فرمائیں اور اُس شخص نے اپنا سارا واقعہ بطور حکایت کے لکھا جسمیں بہت اجزا تھے اور سب کو خلط ملط کر کے لکھا تھا تو حضرت نے جواب میں لکھا کہ تم نے مجھکو بے طریقہ خط لکھا جن امور کو تم دریافت کرنا چاہتے ہو اُنپر نمبر ڈالو اور ہر نمبر کے آگے یہ لکھو کہ یہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری (یعنی سوچکر لکھو کہ اسکام کا کرنا یا اس کام کا ترک کرنا تمھارے اختیار میں ہے یا نہیں) مولانا عبد المجید صاحب نے حضرت سے فرمایا کہ اگر وہ غور کرے تو اسی والا نامہ سے اپنے مرض کا علاج بھی معلوم کر سکتا ہے۔

(۳۰) **فرق درمیان مجنون و مجذوب** - فرمایا مجنون وہ ہے کہ جسکی عقل اخلاط فاسدہ کے غلبہ سے زائل ہو جائے اور مجذوب وہ ہے کہ جسکی عقل کسی وارد غیبی کے غلبہ سے زائل ہو جائے مگر کبھی احوال و واردات کے غلبہ سے اخلاط میں بھی تغیر ہو جاتا ہے اسلئے علت سے تو اسکی پہچان مشکل ہے آسان فرق علامات سے یہ ہے کہ مجذوب کے پاس بیٹھکر قلب کو آخرت کی طرف کشش ہوتی ہے باقی لوگوں میں جو مشہور ہے کہ جو مجذوب ہوتا ہے اُسکی پیٹھ کیطرف کھڑے ہو کر اگر درود شریف پڑھی تو خواہ اُسکو پہلے سے خبر بھی نہو مگر وہ ضرور مڑ کر دیکھتا ہے نہ معلوم کہاں سے لیلیا ہے پھر فرمایا کہ کسی ضلع بارہ بنکی کا قصہ ہے کہ ایک شخص نے میری پشت کی طرف بیٹھکر میری بیخبری میں درود شریف پڑھا اتفاقاً کسی ضرورت سے میں نے مڑ کر دیکھا بس اتنی بات پر وہ میرے معتقد ہو گئے میں نے ہر چند اُنکو سمجھایا مگر اُنکی سمجھ میں نہ آیا یہ حالت ہے تو ہم پرستی کی - ایک بار فرمایا کہ مجذوب معذور کی علامت یہ ہے کہ اُس زمانہ کے اہل بصیرت محققین جامع شریعت و طریقت

اُس شخص پر نکیر نہ کرتے ہوں۔ بخلاف غیر معذور کے۔

(۳۱) بر سبیل تذکرہ فرمایا کہ کانپور میں جب میں نے حضرت حاجی صاحب کے ایما سے ملازمت ترک کی تو ایک شخص کہنے لگے اور یہ انکی سمجھ کی علامت تھی کہ کیوں صاحب آپنے جو یہ تعلق ترک کیا ہے تو کیا جناب کی آمدنی کی کوئی اور صورت ہوگئی ہے میں نے کہا جی نہیں بس میرا جی چاہا۔ کہا تو پھر آپکے قلب میں کوئی پریشانی اور سوچ اس ترک ملازمت سے تو نہیں میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگے تو جائز ہے (اور) ایسے شخص کو ترک اسباب کا حق ہے جب میں نے نوکری ترک کی تھی تو میں ڈیڑھ سَو روپیہ کا مقروض تھا مگر میں نے اسکی ادا کا انتظار نہیں کیا اور حضرت حاجی صاحب رح نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم ملازمت چھوڑ دو ہاں یہ فرمایا تھا کہ اگر کبھی موجودہ تعلق سے دل برداشتہ ہو تو ترک کر دینا اور پھر اور تعلق نکرنا بلکہ تھانہ بھون رہنا مجھے تو یہی فرمایا باقی حضرت کا اندر سے دل چاہتا تھا کہ میں تعلق ملازمت کو ترک کر دوں جب میں نے بعد ترک حضرت کو اطلاع دی تو بہت خوش ہوئے اور جواب دیا کہ اب تھانہ بھون رہو اہل وطن کا بھی حق ہے اور دعا دی۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح نے تو جناب حضرت حاجی صاحب رح سے دریافت کیا تھا ترک ملازمت کو مگر حضرت حاجی صاحب رح نے انکو اول بار میں منع فرما دیا تھا جناب کو حضرت حاجی صاحب رح نے حکم فرمایا فرمایا ہاں جی بزرگوں کی مصلحتیں ہیں حضرت مولانا رشید احمد صاحب رح کو بعد وفات والد صاحب (نور اللہ تعالیٰ مرقدہ ۱۲) میں نے لکھا کہ حضرت جائداد مجھکو ترکہ میں ملی ہے مگر کچھ شبہات کے سبب طبیعت اسکے لینے کو نہیں چاہتی جناب اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ مولانا صاحب رح نے جواب دیا کہ اگر لیلو تو فتوی کی رو سے جائز ہے۔ اور اگر جی نہیں چاہتا مت لو خدا تعالیٰ تمکو ساری عمر بھی رزق کے متعلق پریشان نہ ہونے دینگے سو مولانا گنگوہی رح نے تو یہ ارشاد فرمایا اور حضرت حاجی صاحب رح کی یہ تمنا بس مجھکو اطمینان ہوگیا کہ انشاء اللہ مجھکو رزق کے متعلق کوئی پریشانی نہو گی۔ ان بزرگوں کی توجہوں کا صدقہ ہے۔ ایک بار میں نے اپنے اُسی قرضہ کو دیا لا کے متعلق مولانا گنگوہی رح سے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمائیے مجھپر قرض ہوگیا ہے فرمایا دیوبند میں ایک مدرس کی جگہ خالی ہے اگر چاہو تو وہاں تحریک کروں مولانا

مدرسہ دیوبند کے سرپرست تھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اگر مجھکو حکم ہو تو میں حاضر ہوں گو مجھکو حضرت حاجی صاحبؒ نے کہیں تعلق کرنے سے منع فرما دیا ہے لیکن میں جناب کے ارشاد کو بھی حضرت ہی کا حکم سمجھونگا اور حضرت کے دو حکم سمجھکر پہلے کو منسوخ اور دوسرے کو ناسخ سمجھونگا لیکن مقصود اسوقت عرض کرنے سے محض دعا کی استدعا ہے مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ نہیں نہیں حضرت کے حکم کے خلاف مت کرو میں دعا کرونگا چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ وہ قرضہ بھی ادا ہو گیا۔ اسی زمانہ ترک تعلق میں کانپور والوں نے مجھکو لکھا کہ اب ہم لوگ بجائے پچاس کے سو دینے کو حاضر ہیں اور آپ یہاں پر ویسے ہی رہیں کچھ کام نہ کریں میں نے لکھا کہ حضرت حاجی صاحب ہی کو لکھو انھوں نے پھر حضرت کو لکھا حضرت نے مجھکو لکھا کہ اب تعلق تو مناسب نہیں مگر کانپور والوں کا بھی حق ہے کبھی کبھی انکے پاس ہو آیا کرنا۔ چنانچہ جب کانپور والے بلاتے میں چلا جایا کرتا اکثر سال بھر میں ایکبار جانا ہو جایا کرتا تھا البتہ جب سے یہ مرض ہوا (قلق کا) اسوقت سے خود سفر ہی بند ہو گیا اور حضرت کا یہ فرمانا کہ انکا بھی حق ہے سبحان اللہ اس سے حضرت حاجی صاحبؒ کے اخلاق کا پتہ لگتا ہے۔

(۳۲) جناب مولانا شبیر علی صاحب زاد مجدہم۔ احقر سے بیان فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں حضرت کانپور سے تشریف لائے تھے تو سوزش و حرارت عشقیہ کی یہ حالت تھی کہ پاس بیٹھنے والے بیان کرتے تھے کہ جب ہم حضرت کے پاس جاکر بیٹھتے ہیں تو ایسی حرارت محسوس ہوتی ہے کہ جیسے تنور کے پاس بیٹھکر۔ اور جسوقت حضرت گفتگو فرماتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ برس رہی ہے۔ راتوں کو حضرت کو نیند نہ آتی تھی بس شبکو خانقاہ میں حوض کے برابر آرام کرسی پر تسبیح ہاتھ میں لیکر بیٹھے رہا کرتے یا لیٹے رہا کرتے تھے اور ایک خادم حفاظت کیلئے شبکو پاس سویا کرتا تھا اور چاقو وغیرہ اس قسم کی چیزیں حضرت کے پاس سے علیحدہ کر دی گئیں تھیں کیونکہ اس زمانے میں حضرت دام ظلہم العالی پر حالات باطنی کی اسقدر شدت تھی کہ متعدد بار حضرت کو خودکشی کے خطرات پیدا ہو گئے تھے۔

(۳۳) فرمایا کہ میں ایک مسئلہ کی تحقیق کرتا ہوں وہ یہ کہ کسی خاص شخص کے ساتھ اعتقاد رکھنا اور اسکو اللہ والا سمجھنا تو ضروری نہیں مگر یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ دنیا

اللہ والوں سے خالی نہیں کوئی نہ کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ دنیا میں ضرور موجود ہے
اسکے خلاف اعتقاد جائز نہیں کیونکہ اتنی مقدار منصوص ہے۔

(۳۴) ایک مولوی صاحب نے جو کہ حضرت کے مجازین میں سے ہیں فرمایا کہ بیوقوف آدمی گو اپنے
لیے عقلمند شریر سے اچھا ہو مگر دوسروں کیلئے کچھ مفید نہیں کہ اس سے دوسروں کی تربیت نہیں
ہو سکتی۔ فرمایا جی دوسروں کی تربیت کو کیوں دیکھے بس وہ مذاق رکھے ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چکار　　دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

بڑی بات یہ ہے کہ آخرت میں جوتیوں سے نجات رہے کیسی دوسروں کی تربیت اور کیسی
دوسروں کی اصلاح۔

(۳۵) فرمایا ایک مولوی صاحب کا سہارنپور سے خط آیا انھوں نے لکھا ہے کہ
بغیر تکلیف اور مصیبت کے صبر کی فضیلت کیسے حاصل ہو سکتی ہے تو کیا ہم قصداً مصیبت
اور تکلیف کو اختیار کریں یعنی قصداً ایسا کام کریں کہ جس سے مصیبت اور تکلیف پیش آوے
فرمایا کہ اعمال مطلوبہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو کسی شرط کیساتھ مشروط نہیں مثلاً نماز۔ روزہ
اور بعض اعمال مشروط ہیں شرائط کے ساتھ مثلاً زکوٰۃ کہ یہ مشروط ہے مال ہونے پر تو صبر اسی
قسم کے اعمال سے ہے جو مشروط ہے بلاء مصیبت کے ساتھ۔ اور اسوقت جبکہ مصیبت
اور بلا نہو اجر حاصل کرنے کیلئے صرف یہ کافی ہے کہ یہ ارادہ رکھے کہ بلاء مصیبت کے وقت صبر کرینگے

(۳۶) ایک صاحب نے کہا کہ ایک شخص نے کہا کہ اب کوئی بزرگ رہا نہیں فرمایا یہ دریافت
کرنا چاہیئے کہ بزرگی سے تمہاری کیا مراد ہے اگر ریاضت و مجاہدہ مراد ہے تو بیشک اب پہلے
سے ریاضت کرنیوالے نہیں رہے اور اگر بزرگی سے مراد مقبولیت عند اللہ تعالیٰ ہے تو اب
بھی ہزاروں ہیں اور ریاضت و مجاہدہ خود مقصود تھوڑا ہی ہے ریاضت و مجاہدہ سے تو بس
یہ مقصود ہے کہ نفس کی سرکشی کم ہو جائے اور طاعت میں آسانی سے لگ سکے سو خود نفوس
میں بھی پہلی سی قوت سرکشی کی نہیں رہی نہ اب پہلے سے قوی رہے اسلئے مجاہدہ کی کمی مضر
بھی نہیں۔ فرمایا مجاہدہ تو یہ ہے کہ نفس کے خلاف کرے باقی قلب کے خلاف نہ کرے جب نفس سے
مجرد اسکی خواہش ہو لیکن یہ معلوم کرنا کہ یہ نفس کی خواہش ہے یا قلب کی یہ بڑے مبصر کا کام ہے

ہر شخص نہیں سمجھ سکتا اسی نہ سمجھ سکنے کے سلسلہ میں فرمایا یہاں خانقاہ میں جو لوگ اپنی اصلاح کا کام کرتے ہیں اُن سے دریافت کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بعض حالات ایسے پیش آتے ہیں کہ قیامت تک انکی سمجھ میں نہیں آسکتے تھے بعض حالات کی نزاکت ایسی ہے کہ اسمیں بالکل ذکر و شغل ترک کرا دیا جاتا ہے۔

(۳۷) ۱۹۱۵ء کے قریب کے زمانہ میں ایکبار سفر میں جبکہ تھانہ بھون سے نانوتہ تشریف لیجا رہے تھے۔ تو مولوی محمد عمر صاحب کھٹوری اور احقر کی موجودگی میں ریل میں بیٹھے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس رہکر دو شخص مجھسے بدظن نہیں ہو سکتے ایک تو وہ جو پورا عاقل ہو کہ میرے ہر فعل کی حکمت اسکی سمجھ میں آجائے یا وہ پورا عاشق ہو کہ میرا جو فعل بھی ہو اسکے نظر محبت میں بالکل مناسب اور بجا ہو۔

(۳۸) رمضان ۴۹ھ میں فرمایا میرا ہمیشہ یہ طریقہ رہا کہ اگر میں نے کوئی کام دوسروں کی مصلحت کیلئے کیا اور لوگوں نے اسپر اعتراض کیا تو کبھی میں نے انھیں نصرت و تائید کو پسند نہیں کیا بس یہ کیا کہ اُس کام ہی کو ترک کر دیا چنانچہ جب میں نے یہاں تھانہ بھون میں ابتداءً وعظ کہنا شروع کیا اُسوقت رسوم بیان ہوتے تھے میں نے اپنے بیانات میں رسوم کا رد کرنا شروع کیا تو بعض لوگوں نے بُرا مانا مجھکو جب معلوم ہوا تو میں نے ایک روز آخری جمعہ کو حسب معمول جب وعظ کہا اُس وعظ میں تو میں نے کچھ نہیں کہا مگر بعد وعظ و دعا وغیرہ کے میں نے سب کو ٹھہرا کر کہا کہ صاحبو میں نے سُنا ہے کہ آپکو میرے بیان سے ناگواری ہوتی ہے اور میرا بیان آپکے خلاف طبیعت ہے سو سُن لیجے اس وعظ میں میری کوئی مصلحت نہیں بلکہ آپ ہی کی مصلحت ہے دینوی بھی کہ اسراف سے بچاتا ہوں اور دینی تو ظاہر ہے اسپر بھی جب آپکو ناگوار ہے تو آپ مطمئن رہئے کہ یہ بیان آخری بیان ہے اور اب آئندہ سے وعظ نہ ہوگا بس لگے خوشامد کرنے کہنے لگے کہ صاحب سب کی کیا خطا معترضین کے ساتھ ہم کیوں محروم کئے جاتے ہیں میں نے کہا میں ایسی جگہ کہاں سے لاؤں جہاں تمکو الگ لیکر بیٹھوں کہنے لگے کہ پھر کیا ہو میں نے کہا کہ جس کو شوق ہو اپنے گھروں میں کہلوائیں گھروں میں اس سے زیادہ کہونگا اسپر آمادہ ہو گئے پھر گھروں میں اس کثرت سے وعظ ہوئے کہ وعظ کا جو مقصود تھا یعنی اصلاح وہ

خوب ہوئی اور گھر بلا کر رعایت بھی بجد کرنا پڑتی تھی کہ کوئی ایسی بات نہو کہ جس سے یہ ناراض ہو جائیں۔ کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے تھے بفضلہ تعالیٰ سب رسوم مٹ گئیں اب یہاں قصبہ میں عام طور پر اثر رسوم کا نہیں رہا۔ پہلے جو شخص ترک کرتا تھا اسکو مطعون کرتے تھے اب کوئی ذکر بھی نہیں کرتا تو میری رائے یہ ہے کہ عوام کے درپے نہو۔ ایک حدیث شریف میری نظر سے گذری مجھے بہت پسند آئی ارشاد ہے کہ نعم الفقیہ ان احتیج الیہ نفع وان استغنی عنہ اغنی نفسہ، دیلمی نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے مجھکو نصیحت کی ہے کہ جب تم سے کوئی جھگڑے تو تم سب رطب یابس اس کے سپرد کر کے علیحدہ ہو جانا جیسا ایک شخص نے حجام سے کہا تھا کہ میری داڑھی میں سے سفید بال چن دے اس نے ساری داڑھی اتار کر سامنے رکھدی کہ مجھکو تو اتنی فرصت ہی نہیں تم خود بیٹھے ہوئے چنتے رہو۔ مولانا رومی نے مثنوی میں ایک حکایت بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص بانسری بجا رہا تھا اسی میں اسکی ریح صادر ہوئی تو اس نے بانسلی اپنے منہ پر سے ہٹا کر خاص مقام پر لگا دی کہ لے بی تو ہی بجا لے۔ اسی اصل پر میں نے فلاں مدرسہ کی سرپرستی سے استعفا دیدیا ہے بات یہ ہے کہ جب رد و قدح کی نوبت آگئی تو پھر کام کرنے کا کیا لطف رہا اور میرا تو یہ مذاق ہے کہ ؎

خود چہ جائے جنگ و جدل نیک و بد   کایں دلم از صلحہا ہم میرمد

تو جو شخص دوستی سے بھی گھبراتا ہو اسکو اختلاف سے کیا دلچسپی ہوگی۔ مگر لوگ اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ گویا یہ بھی لوگوں کا ایک مشغلہ ہو گیا ہے اور ہم نے چونکہ بزرگوں کا طرز دیکھا ہے اسلئے ہمکو اس سے نفرت ہے کہ یہ کیا خرافات ہے۔ رد و قدح کی دلچسپی پر ایک حکایت بیان کی کہ ایک عالم تھے اب تو وہ مر گئے وہ کہتے تھے کہ میں کسی فتوے پر بڑی مشکل سے دستخط کرتا ہوں سب سے اول تو ملی ہی چاہتا ہوں کہ اسکا رد کردوں جب مجبور ہو جاتا ہوں تو با دل ناخواستہ دستخط کر دیتا ہوں تو بعض لوگوں کا یہ حال ہے کہ انکو رد و قدح ہی میں لطف آتا ہے۔

(۳۹) ایک مرتبہ حضرت ایک مریض کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے کہ جو حضرت کی خدمت میں عارضی قیام کے لئے حاضر ہوا تھا اور اتفاق سے بیمار ہو گیا تھا اس نے عرض

کیا کہ حضرت میرا دل وطن جانے کو چاہتا ہے تو یہ میری حالت کچھ بری تو نہیں تو حضرت نے اسکی تسکین فرمائی اور فرمایا کہ تمھاری یہ حالت بری نہیں اسکے بعد حضرت نے بر سبیل تذکرہ ایک جملہ فرمایا کہ بحمد للہ تعالیٰ میرے قلب کا تعلق نہ دوستوں سے ہے اور نہ دشمنوں سے (لیکن بفضلہ تعالیٰ حضرت حقوق دوستوں کے بھی ادا فرماتے ہیں اور دشمنوں کے بھی)۔

(۴۰) ایک صاحب اہل علم نے جو حضرت دام ظلہم العالی کے جدید مجازین میں سے ہیں حضرت سے سوال کیا کہ اصلاح باطن کے متعلق جو مقامات اہل فن نے لکھے ہیں اُن میں ترتیب کیا ہے۔ تاکہ اس ترتیب سے طالب کی اصلاح و تربیت کیجائے (جیسا منہاج العابدین میں امام غزالی نے مقامات کی ایک خاص ترتیب لکھی ہے) حضرت نے جواب میں ان مولوی صاحب سے فرمایا کہ آپ اول مقام کی حقیقت بیان کیجئے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے الفاظ میں حقیقت بیان فرمائی تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بس اس تعریف کے بعد تو کوئی سوال ہی نہیں رہا مگر پھر مزید توضیح کیلئے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ مقام کہتے ہیں اخلاق باطنہ حمیدہ مکتسبہ کے اندر رسوخ اور پختگی کو جیسے توکل انس محبت تفویض۔ اگر کسی کو ان اخلاق باطنہ کے اندر پورے طور پر رسوخ اور پختگی حاصل نہیں تو گویا اسکو مقامات حاصل نہیں تو بس اسکا طریق تعلیم اصلاح یہی ہے کہ طالب کی حالت میں غور کرے اور دیکھے کہ فلاں خصلت اس شخص کے اندر کیسی ہے آیا پختہ ہے یا خام ہے پس اگر کسی خُلق کے اندر خامی دیکھے اسکی اصلاح کرے اور ظاہر ہے کہ اسمیں ہر شخص کی حالت جدا ہے تو پھر ایک ترتیب کیسی ہوسکتی ہے اسکے بعد مولوی صاحب موصوف نے ایک شبہ پیش کیا جو تقریباً یہ تھا کہ اعمال سے اصل مقصود تو رضائے حق ہے سو جب تک ان تمام اعمال کے اندر پختگی حاصل نہو اسوقت تک یہ مقصود پورے طور پر کیسے حاصل ہوسکتا ہے تو ان تمام کی طرف توجہ ترتیب وار ہی کیجا سکتی ہے نہ کہ ایکدم سے دوسرے یہ کہ ان اعمال کی درستی اور تصحیح کے اندر اگر ترتیب قائم رکھی جائے تو ایک قسم کی ڈھارس اور اطمینان رہتا ہے طالب کو اب اتنی چیزوں کی درستی ہو گئی اور اتنے مقامات کی تصحیح باقی ہے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ یہ بالکل درست ہے ترتیب کا تو انکار نہیں لیکن اختلاف حالت کے سبب ترتیب سب کی یکساں تو نہیں ہوسکتی بلکہ ہر شخص کیلئے ترتیب جدا ہوگا

ہو گی اسی وجہ سے امام غزالی رحؒ نے منہاج العابدین میں جو ترتیب لکھی ہے وہ کلی نہیں ہو سکتی
ہاں اسوقت شاید اکثر طبائع کے اعتبار سے مناسب ہو اور کلیت کا حکم تو کسی طرح ہو ہی
نہیں سکتا۔ فرض کیجئے ایک شخص ہے کہ اسکے اندر بعض امراض ہیں مگر وہ امراض دوسرے میں
نہیں یا اگر وہ امراض اس دوسرے شخص میں بھی ہیں مگر ضعیف ہیں یا اس دوسرے شخص
میں بھی وہی امراض ہیں مگر ان امراض کے ساتھ اسکے اندر ایک دوسرا مرض بھی ہے کہ جو
ان سب امراض سے اہم ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس اہم مرض کا علاج مقدم ہے۔ تو اب اس شخص
کیلئے یہ ترتیب کیسے مفید ہو سکتی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مرض کا علاج اول ضروری
ہوتا ہے کسی مرض سے کہ وہ (مرض) سبب ہوتا ہے کسی (دوسرے) سخت مرض کا تو اب ایسی حالت میں کوئی
خاص ترتیب کیسے ملحوظ رکھی جا سکتی ہے بس طریقہ یہی ہے کہ خود دیکھے اور طالب سے
کہے کہ وہ اپنے مرض کو بیان کرے اور اپنی حالت میں غور کرے اور دیکھے کہ کونسا مرض اس میں
ہے پھر یہ کہ درمیان میں اگر کوئی خاص مرض دیکھے اور اسکے علاج کی پہلے ضرورت ہو تو مرض
سابق کو چھوڑ کر اس دوسرے مرض کی طرف اول توجہ کریگا تو اب ترتیب کی رعایت کہاں تک
کیجا سکتی ہے۔ اور لیجئے مثلاً بعض لوگوں میں بعض اخلاق طبعی ہوتے ہیں تو انکو ان اخلاق
کی تحصیل گویا تحصیل حاصل ہے تو اب کیا محض ترتیب قائم رکھنے کی خاطر اسکو ان اخلاق
کی تحصیل کی طرف متوجہ کیا جاویگا اور اس شخص کا وقت اس تحصیل کے اندر صرف کیا جاویگا
مثلاً بعض لوگوں میں تواضع طبعی ہوتی ہے تو انکو کیا ضرورت ہے اسکی تحصیل کی۔ باقی
رہی یہ بات کہ ترتیب سے طالب کو اطمینان رہیگا تو فضائل و رذائل تو معین ہیں تو یہ بہر
حال معلوم ہوتا رہیگا کہ اتنے حاصل یا زائل ہو گئے اتنے باقی ہیں تو عدد کے لحاظ سے راستہ
طے کرنے کا اطمینان ہو جائیگا۔ ترتیب کے لحاظ سے نہ سہی۔ اور حضرت اصلی بات تو یہ ہے
کہ اسکی فکر ہی میں نہ پڑے کہ کتنا راستہ قطع ہو چکا اب کتنا باقی ہے اسلئے کہ اس طریق کا
تو یہ حال ہے کہ ؎

نہ ہرگز قطع گردد جادۂ عشق از دویدنہا   کہ مے بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

حضرت تمام عمر کی دوڑ دھوپ کے بعد یہ سمجھ میں آویگا کہ ہم کچھ نہیں سمجھے تھے تو کسی کا یہ شعر بہت ہی

پسند آیا ؎

نیست کس را از حقیقت آگہی　　　جملہ بے میرند با دست تہی

حضرت مولانا گنگوہی رح کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کو ساری عمر کی محنت و کوشش کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ مجھکو کچھ حاصل نہیں ہوا تو اسکو سب کچھ حاصل ہو گیا حضرت مولانا محمود حسن صاحب رح کا قول ہے کہ ہمکو ساری عمر کے پڑھنے پڑھانے کے بعد اپنے جہل کا علم ہو گیا۔ اور حضرت میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر مقامات طے بھی ہو گئے تو ان کے طے ہونے میں وہ حظ نہیں کہ جتنا اس سمجھنے میں ہے کہ ہمنے ابھی کچھ بھی راستہ قطع نہیں کیا گویا تیلی کے بیل کی طرح ہیں کہ سارا چکر کاٹنے کے بعد بھی وہ جہاں پہلے تھا وہیں رہتا ہے۔ گو چکر تو کاٹتا ہے مگر رہتا ہے وہیں۔ تو اس سمجھنے میں بھی حظ ہے کہ ہم ابھی تک وہیں ہیں کچھ ترقی نہیں کی اور یہ حظ ہے انکسار اور افتقار اور عجز اور عبدیت کا اسکے بعد سائل صاحب نے اسی باب کا کوئی اور سوال کیا جسمیں کسی معاملہ کے متعلق حکمت کی تحقیق تھی حضرت نے فرمایا کہ حکمت کی تلاش کرنا طریق میں فضول ہے۔ اگر کوئی فائدہ نہ بھی ہو تب بھی طریق خود مقصود ہے کسی تھانہ دار نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ تو جو نماز پڑھا کرتی ہے بتلا تو تجھکو اس نماز سے کیا ملا۔ تو میں اسکی طرف سے جواب میں کہتا ہوں کہ نماز ملی یہی معنی ہیں مولانا محمد یعقوب صاحب کے اس ارشاد کے کہ طلب مقصود ہے وصول مقصود نہیں مولانا رومی مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست　　　تا بجوشد آبت از بالا و پست

تشنگان گر آب جویند از جہاں　　　آب ہم جوید بعالم تشنگاں

ہر کہ عاشق دیدیش معشوق داں　　　کو بہ نسبت ہست ہم این و ہم آں

عشق معشوقاں نہاں است و ستیر　　　عشق عاشق با دو صد طبل و نفیر

لیک عشق عاشقاں تن زہ کند　　　عشق معشوقاں خوش و فربہ کند

تو خلاصہ یہ ہے کہ طلب مقصود ہے حصول مقصود نہیں اور ایک بات تو بطور حکمت کے میری سمجھ میں آئی ہے کہ اسکے سمجھ لینے سے قلب میں پریشانی تو بالکل ہی نہیں رہتی بخلاف اسکے اگر کام کرتے وقت اس کام کے ثمرہ کی طرف بھی توجہ ہے تو خود وہ کام بھی ٹھیک طور پر نہیں ہو سکتا

مثلاً ایک اہلمد ہے اسکی بیس روپیہ تنخواہ ہے تو یہاں ایک تو اُس اہلمد کا بحیثیت ملازمت
کے کام ہے (یعنی دفتر کا کام) اور ایک اس کام سے اُسکا مقصود ہے (یعنی تنخواہ) تو گو
مقصود اس اہلمد کا اُس نوکری سے یہی تنخواہ ہے لیکن اگر یہ اہلمد دفتر کا کام کرتے وقت اُس
مقصود کی طرف مشغول رہے کہ بیس روپیہ ملیں گے پانچ کا آٹا لاؤنگا دو کا گھی لاؤنگا دو کی
لکڑی آویگی ایک کا مصالح دو کی گوشت ترکاری تین قرض میں دونگا پانچ کپڑے میں صرف
کرونگا مثلاً تو ظاہر ہے کہ کام کبھی ٹھیک طور پر نہیں کر سکتا اگر وہ تین لکھنا چاہیگا تو بجائے
تین کے چار لکھ جائیگا سارے کام کا ستیاناس کر دیگا تو کام کیوقت صرف کام کا خیال رکھنا
چاہیئے۔ یا مثلاً ایک شخص نے بی اے۔ کا امتحان دیا تو ظاہر ہے کہ اسکا مقصود اس امتحان
میں پاس ہو جانے سے یہی ہے کہ نوکری ملیگی گو امتحان دینے سے اسکا مقصود نوکری ہے لیکن
باوجود اسکے عین امتحان دیتے وقت وہ اسکا خطرہ بھی اپنے قلب میں نہیں لاتا بلکہ ہمہ تن امتحان
کی طرف متوجہ رہتا ہے اگر امتحان دیتے میں وہ نوکری کا خیال جما کر بیٹھے تو ظاہر ہے کہ امتحان
میں گڑبڑ مچ جائیگی جیسے کہ ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک شخص اپنے گھر کو خط لکھنے بیٹھے اتفاق
سے ایک چڑیا نے اوپر سے خط کے کاغذ پر بیٹ کر دی تو آپ نے غصہ میں چڑیا کو ایک گالی
دی اور غایۂ حال میں آپنے وہ گالی بھی لکھدی اب گھر والوں نے اس خط کو دیکھا تو بڑے
پریشان ہوئے کہ ہم نے آخر کونسی ایسی خطا کی جسکی سزا میں یہ گالی لکھی گئی گھر والوں نے انکو لکھا
تو بڑے شرمندہ ہوئے اور جواب میں لکھا کہ ایسا قصہ ہوا تھا۔ مجھکو کچھ خیال نہیں رہا زبان
سے جو گالی نکلی۔ اُسی کو میں خط میں لکھ گیا۔ پھر فرمایا کہ لغت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے
کہ کام کرتے وقت کام کی طرف توجہ چاہیئے وہ یہ کہ توجہ مقصود کی طرف ہونا چاہیئے نہ کہ غیر
مقصود کی طرف یہ تو سب کے نزدیک مسلم ہے مگر اب یہاں یہ دیکھنا ہے کہ مقصود کیا چیز ہے
تو مقصود کے معنی ہیں قصد کیا گیا۔ تو اب یہاں دیکھنا چاہیئے کہ قصد کس چیز کا ہو سکتا ہے
ظاہر ہے کہ قصد ہوتا ہے اختیاری چیز کا اور کام اختیاری ہے اور ثمرہ مثلاً نوکری غیر اختیاری
تو مقصود کام ہوا سو اسی کی طرف توجہ بھی ہونا چاہیئے تو حضرت راحت اسی میں ہے کہ ثمرہ
کا کبھی قصد ہی نہ کرے بس کام کئے جاوے البتہ ثمرہ کے حصول کیواسطے دعا کرے اور دعا کی ضرورت

اسواسطے ہے کہ ثمرہ کی بھی حاجت ہے۔ اور حاجت کے لئے دعا موضوع ہے۔

مسئلہ تشبہ کا ثبوت قرآن سے (۴۱) فرمایا میں ایک بار دیوبند گیا۔ وہاں مہتمم صاحب نے مجھ سے شکایت کی کہ یہاں مدرسہ میں طلبا رلباس وغیرہ میں غیر قوموں کا طرز اختیار کرنے لگے ہیں ذرا وعظ میں اسکے متعلق بھی کچھ ذکر کر دیا جاوے میں نے وعظ میں کہا کہ بعضے مدعیان علم کے سامنے جب یہ حدیث پیش کرتے ہیں من تشبہ بقوم فھو منھم تو وہ اسکو ضعیف کہتے ہیں خیر یہ بحث تو جدا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ آیت تو ضعیف نہیں میں اس مسئلہ کیلئے آیت پیش کرتا ہوں اور میں نے یہ آیت تلاوت کی کہ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار ومالکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر۔ الآیۃ اور میں نے کہا کہ اس آیت میں رکون پر وعید ہے تو معلوم ہوا کہ رکون حرام ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ کسی کے ساتھ تشبہ جب کبھی پایا جاویگا رکون کے ساتھ پایا جاویگا یعنی لازم ہے کہ اُسکی طرف رکون ہوگا۔ اور رکون حرام ہے تو ثابت ہوا کہ تشبہ بھی حرام ہے بعد وعظ کے جب مفتی عزیز الرحمن صاحب ملے اور بہت خوش تھے۔ فرمانے لگے کہ ہمارے ذہن میں یہ استدلال کبھی نہیں آیا واقعی اسکا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔

(۴۲) فرمایا ایکبار میں رامپور بلایا ہوا گیا۔ وہاں ایک صاحب نے اپنے بچے کی ختنے کی تقریب غسل میں بلایا تھا۔ اور وہاں پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور حضرت مولانا محمود الحسن صاحب بھی بلائے ہوئے تشریف لائے تھے میں نے وہاں جاکر دیکھا کہ اس تقریب میں بڑا بکھیڑا دعوت عامہ کا کیا گیا ہے۔ یہ مجھکو ناپسند ہوا میں وہاں سے لوٹ آیا۔ بعد کو یہ بھی معلوم ہوا کہ وہاں پر مخالفین میں سے بعض لوگوں نے جب میرا جانا سنا تو آپس میں چرچا کرتے تھے کہ اصلاح الرسوم کے مصنف بھی آئے ہوئے ہیں اور انھوں نے یہ ارادہ کیا کہ ایک اشتہار اعتراض کا لکھکر اُسکی نقلیں جابجا چسپاں کریں مگر ان کے بڑے بوڑھوں نے تعجیل سے روکا جب میں وہاں سے ناراض ہوکر واپس آگیا۔ تو ان ہی روکنے والوں نے کہا دیکھو اگر اسمیں تعجیل ہوتی تو ہمکو کتنی شرمندگی ہوتی یہ تو مخالفین کا واقعہ ہوا اور اپنی جماعت میں یہ ہوا کہ اسکے متعلق بعض لوگوں نے تو مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال

کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ تو اس تقریب میں شریک رہے اور وہ (یعنی حکیم الامۃ دام ظلہم العالی) چلے گئے۔ تو مولانا نے فرمایا کہ بھائی انھوں نے تقویٰ پر عمل کیا اور ہم نے فتویٰ پر۔ اور ہمارا اُنکا جہاں کہیں اختلاف ہوتا ہے تو اُسکی بنا یہی ہوتی ہے اور بعض لوگوں نے مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے یہی سوال کیا تو مولانا نے ارشاد فرمایا۔ کہ عوام کی حالت سے جتنا وہ واقف ہیں ہم واقف نہیں۔ یہ جو جواب مولانا سہارنپوری نے دیا وہ تو اضع کا جواب ہے باقی اصل جواب وہی ہے جو مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا اور ایک واقعہ رامپور سے میرے چلے آنیکے بعد یہ ہوا کہ میرے نام ایک صاحب کا خط آیا بڑے غصہ کا کہ آپکو اصلاح الرسوم پر نظر ثانی کرنا چاہئے۔ میں نے لکھا کہ میں تو نظر ثانی اور ثالث اور رابع وغیرہ سب کر چکا ہوں ہر نظر کا نتیجہ وہی رہا جو نظر اول کا تھا اب آپ نظر ثانی کرکے اسمیں ترمیم کیجئے میں اسکو بھی شائع کر دونگا لیکن اگر اس سے عوام گمراہ ہوئے اور پھر رسوم میں پھنس گئے تو اُسکے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ پھر کوئی خط اُنکا نہیں آیا۔ (یہ ملفوظ احقر نے کوئی پانچ چھ برس ہوئے تب سنا تھا)۔

(۴۳) برسبیل تذکرہ فرمایا کہ خلافت کے زمانے میں جب مخالفین کا بہت زور شور ہوا تھا تو سنا کہ ایک کمیٹی ہوئی جسکے اندر میرے متعلق بہت دور تک کا انتقام تجویز ہوا تو ایک خاص عزیز کی زبانی مولانا خلیل احمد صاحب نے میرے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ یہاں ایک ایسی کمیٹی ہوئی ہے۔ میری رائے میں کچھ نرمی اپنے مسلک میں کر لینا مناسب ہے اور انگریز بادشاہ ہیں جو کچھ کرینگے قاعدہ اور قانون کے مطابق کرینگے۔ اور پبلک کا کچھ ٹھیک نہیں بے سری فوج ہے جو چاہے کر گذرے۔ اسلئے اسوقت عوام زیادہ خوفناک ہیں بہ نسبت حکام کے ان عزیز نے آکر مجھ سے کہا تو میں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک عوام کے ضرر سے تو بچنا آسان ہے کیونکہ اُنکو کوئی قانونی قدرت نہیں صرف حسی قدرت ہے جس سے حفاظت ہو سکتی ہے اور حکام کو قانونی قدرت ہے اُس سے بچنا دشوار ہے تو جو وجہ مولانا نے پبلک کے ساتھ موافقت اختیار کرنے کی بیان کی ہے وہی میرے نزدیک پبلک کیساتھ عدم موافقت کی ہے۔ رہا انتقام کا قصہ سو اگر کوئی شخص اسکے لئے بھی تیار ہو۔ تو اس سے زیادہ جو ضرر ہو وہ

بتلایا جاوے۔ پھر حضرت حکیم الامۃ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ آخر ہمارے بھائی انگو را ہیں جان کرے رہے ہیں ہم کنگورمیں جان دید ینگے۔ خیر میرا یہ جواب جب مولانا خلیل احمد صاحب کے پاس پہنچا تو فرمایا کہ جو شخص اتنا قوی القلب ہو اسکو حق ہے کہ جو چاہے طرز عمل رکھے اھ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ میرا ہمیشہ سے معمول ہے کہ میں صبح کے وقت جنگل جایا کرتا ہوں اسی زمانہ کا قصہ ہے کہ ایکبار جب میں عیدگاہ کے پاس پہنچا تنہا تھا۔ تو میں نے عیدگاہ کے اندر سے ایک مجمع کی آواز سنی اور اسمیں کوئی شخص میرا نام لے رہا ہے۔ گویا میرے متعلق کوئی ناگوار مشورہ ہو رہا تھا میں حسب معمول آگے چلا گیا۔ اسی زمانہ کا قصہ ہے کہ ایکبار جب میں حسب معمول جنگل گیا تو قصبہ سے دور نکلکر ایک ہندو راجپوت ملا کہنے لگا کہ اجی ایک بات کہوں ہوں اگر ناراض نہو میں نے کہا نہیں تم کہو۔ کہنے لگا کہ تمھیں کچھ معلوم بھی ہے کہ لوگوں کا تمھارے واسطے کیا خیال ہے میں نے کہا کہ ہاں مجکو وہ خیال بھی معلوم ہے۔ اور ایک بات اسکے علاوہ اور بھی معلوم ہے کہنے لگا وہ کیا ہے میں نے کہا وہ یہ کہ بدون اس کے حکم کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ تو میرا یہ جواب سنکر اسپر ایک اثر ہوا اور کہنے لگا کہ میاں جب یہ بات ہے تو بیفکر جہاں جی میں آئے پھرو۔ ایکبار اسی زمانے میں بعض احباب نے اسکا انتظام کیا تھا کہ جب یہ شب کو خانقاہ سے گھر جایا کریں (تو چونکہ چھوٹا گھر خانقاہ سے فاصلہ پر ہے اور میں تنہا جایا کرتا تھا) تو انکا راستہ میں تنہا جانا مناسب نہیں بلکہ ہم میں سے راستہ میں کوئی ساتھ جانا چاہیئے۔ مگر مجکو اس مشورہ کی اطلاع نہیں کیگئی پھر خود ہی ان لوگوں کو خیال ہوا کہ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ گویا ہمپر حفاظت منحصر ہے بغیر ہمارے حق تعالیٰ حفاظت کر ہی نہیں سکتے بس جی حق تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس تجویز کو ملتوی کر دیا۔ مجکو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو میں بڑا خوش ہوا کہ بحمد اللہ تعالیٰ میرے احباب عارف ہیں۔

(احقر جامع عرض کرتا ہے کہ اسی زمانہ کا حضرت دامظلہم العالی کا ایک واقعہ احقر نے مولانا شبیر علی صاحب زاد مجدہم تھانوی سے سنا ہے اسلئے احقر اسکو بھی تحریر کرتا ہے)۔

(۴۴) مولانا شبیر علی صاحب زاد مجدہم فرماتے تھے کہ چونکہ اس زمانہ میں ہی حضرت مولانا

جنگل تنہا تشریف لیجاتے تھے۔ اسلئے میں نے احتیاطاً ایک چھتری پیش کی کہ جنگل جاتے وقت اسکو ساتھ لیجایا کریں۔ تو میرے پیش کرنے پر حضرت مولانا نے بلا پس وپیش قبول فرمالی۔ مگر جب جنگل تشریف لیجاتے تو اسکو ہمراہ نہ لیجاتے۔ میں نے عرض بھی کیا تو فرمایا کہ چونکہ عادت نہیں اس لئے تکلف ہوتا ہے اسکے ہات میں رکھنے سے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت پھر مجکو وہ واپس فرمادیجئے چنانچہ واپس فرمادی۔

(۴۵) ایک بار حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے اُسی زمانہ مخالفت کا ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ اُس زمانہ میں یہاں یہ بھی تجویز ہوئی تھی کہ ان سے خانقاہ ومدرسہ خالی کرانا چاہئے اور میں ہر وقت اسپر تیار تھا۔ کہ اگر ایک بچہ نے بھی آکر مجھسے کہا میں فوراً بلا مزاحمت خانقاہ خالی کردونگا۔ احباب کو یہ سوچ تھی کہ پھر یہ مجمع کہاں رہیگا۔ خدا کی قدرت اُسی زمانہ میں یہ عجیب قصہ پیش آیا کہ فلاں جگہ (حضرت نے ہندوستان کے ایک دور دراز مقام کا نام لیا تھا) ایک شخص کا انتقال ہوا تو اُس شخص نے چار ہزار کی رقم کے متعلق وصیت کی کہ یہ رقم تھانہ بھون کے فلاں خانقاہ ومدرسہ کو بھیج جاوے۔ چنانچہ اس رقم کی یہاں اطلاع آئی اور وہ رقم اتنی تھی کہ اگر خانقاہ از سر نو تعمیر کراتا تب بھی اس سے ممکن تھا مگر اُس رقم میں شرط یہ تھی کہ سرحسٹرار کی تصدیق ہو میں نے انکار کردیا۔ پھر خط آیا کہ کسی آنریری مجسٹریٹ کی تصدیق ہو۔ مجکو یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوا۔ میں نے پھر انکار لکھدیا۔ انکا پھر خط آیا۔ کہ اچھا صاحب آپ دو طالب علموں کے دستخط کراکر بھیجدیجئے ہمنے کہا ہاں یہ ہوسکتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اُن بیچاروں کا خلوص کہ اتفاق سے اُس دن ہمارے یہاں دو حاکم مہمان آئے ہوئے تھے۔ ایک (حضرت) خواجہ عزیز الحسن صاحب (دام ظلہم) ڈپٹی کلکٹر اور ایک (جناب میاں) عبدالکریم صاحب (زاد مجدہم) سب جج۔ میں نے کہا لو بھائی دستخط کردو تمکو اللہ تعالیٰ نے یہاں اس موقعہ پر بھیجدیا۔ انھوں نے دستخط کردئے وہ لوگ جنھوں نے یہ رقم ارسال کی تھی بہت ہی خوش ہوئے کہ انکی تصدیق تو ہماری تجویزہ تصدیق سے بھی زیادہ باوقعت ہے میں نے طالب علموں سے کہا کہ لو بھائی اب ہم دوسرا مدرسہ بھی بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اُسکی ایک جگہ بھی تجویز کرلی تھی۔ مگر بفضلہ تعالیٰ سب کی گردنیں نیچی رہیں۔ بعد میں اُن کے بعض سرغنہ آکر درخواست

کرنے لگے کہ یہاں سے نہ جائیے ورنہ ہماری بڑی رسوائی ہوگی میں نے اسوقت یہ کہنا (جو
کہ امر واقعی بھی ہے) مناسب سمجھا کہ میں تو (اس خانقاہ میں) حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ
علیہ کا بٹھلایا ہوا ہوں میں کیسے جا سکتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ ہملوگ موالاتی
کہلاتے ہیں مگر بفضلہ تعالیٰ ہم تو اس حالت میں بھی تارک موالات رہے اور عدالتوں میں
کسی طور پر بھی جانا پسند نہیں کیا۔ اور یہ لوگ زبان سے تو کہتے تھے کہ عدالتوں کا بائی کاٹ
کرو اور پھر عدالتوں میں جا کر مقدمات کی پیرویاں بھی کرتے تھے۔

(۴۶) فرمایا حدیث شریف میں آیا ہے رُفع عن امتی الخطاء والنسیان اور یہ مسئلہ
عقلی بھی ہے کہ خطا و نسیان سے بچنا غیر اختیاری ہے اور تکلیف مالایطاق ممتنع ہے تو خطا،
و نسیان میں احتمال ہی نہیں مواخذہ کا تو لیے ان دونوں دلیلوں پر نظر کرکے یہاں پر ایک
شبہ ہوتا ہے کہ جب اس حدیث کی رو سے خطار و نسیان معاف شدہ ہیں۔ تو پھر قرآن مجید
میں اس دعا کی کیوں تلقین کیگئی کہ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا الایۃ - یہ تو گویا
تحصیل حاصل ہے۔ تو جواب اسکا حدیث کے اعتبار سے تو یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ رفع اس دعا
ہی کی برکت ہوا اور دلیل عقلی کے اعتبار سے مولانا رومی نے جواب دیا ہے کہ وعدہ کی سبب
اسوقت گو ان پر مواخذہ نہیں مگر فی نفسہ تو یہ خطا و نسیان قابل مواخذہ ہیں۔ کیونکہ گو یہ
اختیار عبد سے باہر معلوم ہوتے ہیں۔ مگر درحقیقت انکے مقدمات تو اختیاری ہیں یعنی یہ
کہ اگر یہ شخص توجہ تام کرتا تو پھر اس سے خطار و نسیان کا صدور نہ ہوتا کیونکہ خطار و نسیان
کا صدور انکے مقدمات کے ذہول سے ہوتا ہے تو یہ تکلیف مالایطاق نہوئی جو فی نفسہ قابل
مواخذہ نہوتی۔ مگر یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اُس نے انکو معاف کر دیا۔ مگر مثنوی میں
یہ مسئلہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی کو یہ مسئلہ پہلے سے معلوم نہو تو وہ نہیں سمجھ سکتا
اسی وجہ سے میں کہا کرتا ہوں کہ بزرگوں کے نظم کلام سے استدلال نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ
اسکو کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ دوسرے یہ کہ انکا کلام اکثر ذو وجہین ہوتا ہے۔ اور اذا جاء
الاحتمال بطل الاستدلال۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ بزرگوں کے کلام کا بڑا سمجھنے والا
وہ ہے کہ جو تطبیق دیسکے بزرگوں کے کلام میں اور نصوص میں مولانا رومی فرماتے ہیں

معنی اندر شعر جز با خبط نیست — چوں فلاسنگ ست آنرا ضبط نیست

(۷۴) فرمایا ایکبار ایک مضمون میں نے لکھا تھا کہ ہم جو قول ابوحنیفہ پر عمل کرتے ہیں تو اسکو حدیث ہی کی تفسیر سمجھکر عمل کرتے ہیں تو ابوحنیفہ کا اتباع حدیث ہی کا اتباع ہے اور حاصل اس کا یہ ہے کہ ہم حدیث پر اس تفسیر کے موافق عمل کرتے ہیں جو امام صاحبؒ کی ہو (مثلاً) اسپر ایک مولوی صاحب نے اخبار الحدیث میں لکھا کہ بس اب فیصلہ آسان ہو گیا ہر حدیث کے متعلق حنفیوں سے یہ دریافت کر لیا جایا کرے کہ امام صاحبؒ سے اس حدیث کی تفسیر منقول دکھلادو حالانکہ میرا مطلب یہی تھا کہ تم دو وجہیں حدیث کی اس تفسیر کو اختیار کرتے ہیں جو امام صاحب کے مذہب کی موافق ہو اور مقصود یہ تھا کہ جب حدیث کی ایک تفسیر مذہب کے موافق ہو سکتی ہے تو اس مذہب کو حدیث کے موافق کہیں گے اور اسی نیت اس مذہب کو لیں گے کہ یہ حدیث کے موافق ہے اس مطلب کو اس عنوان سے تعبیر کر دیا لوگ تو دیکھو اور اسکی حقیقت سمجھو اسی غرض کے لئے میں ایک کتاب تصنیف کر رہا ہوں اعلاء السنن اسکی تصنیف میں میری دو نیتیں ہیں۔ ایک تو نصرت مظلوم کہ آجکل لوگ درحقیقت امام ابوحنیفہ پر بڑی تہمتیں لگا رہے ہیں جو ظلم ہے۔ دوسری نیت یہ ہے کہ ابتک ہم اجمالی طور پر ابوحنیفہ کے قول کو حدیث کے موافق سمجھکر اور اپنے بزرگوں کو امام صاحب کا متبع سمجھکر عمل کرتے تھے مگر اب ہم خود امام ابوحنیفہ کے قول کو تفصیلی طور پر بھی حدیث کے موافق سمجھکر عمل کیا کرینگے اور نصرت کا حاصل یہ ہو کہ تم جو امام صاحب کو مخالف حدیث کا کہتے ہو تو ممکن ہے یہ موافق حدیث یا اسکی نظیر کوئی دوسری حدیث امام صاحب کو پہنچی ہو اور امام صاحبؒ نے اس سے استدلال کیا ہو تو تمکو امام صاحب پر حق اعتراض نہیں تو ہمارا یہ کہنا کہ امام صاحب کی یہ دلیل ہے اسکا دعویٰ نہیں کہ امام صاحب سے یہ استدلال منقول ہے تاکہ ہمسے وہ سوال ہو سکے کہ نقل دکھلاؤ بلکہ ہمارا یہ کہنا درجہ منع میں ہے کیونکہ معترض مدعی ہے تخالف کا تو اسکے جواب میں ہماری طرف سے منع کافی ہے۔ تو تفسیر سے میری مراد حدیث سے توافق تھا جسکا یہ سمجھا ناس کیا گیا تو قول امام پر ہمارے عمل کرنے کی بنا اسکا حدیث سے توافق ہے اس طرح سے کہ بعض حدیثیں ذو محملین ہوتی ہیں ہم نے ایک محمل کو امام صاحب کے

قول کی موافق دیکھکر ترجیح دے لی۔ تو اس حقیقت کو میں نے یوں تعبیر کردیا تھا کہ ہم امام
صاحب کے قول پر اُسکو حدیث کی تفسیر سمجھکر عمل کرتے ہیں بعد وضوح حقیقت اس عنوان
میں کوئی تلبیس بھی نہیں ہوئی باقی اس کتاب کی تصنیف سے میری یہ نیت ہرگز نہیں کہ
اپنے امام کے مذہب کی ترجیح کی۔ دوسرے مذاہب پر کوشش بھی کیجاوے۔ میں تو طالب
علموں سے کہا کرتا ہوں کہ تم اس ترجیح کی کوشش ہرگز مت کرو۔ کہ امام صاحب کا قول
راجح ہے اور امام شافعی اور امام مالک کا مرجوح۔ ہمکو اس کتاب سے خصم کی دلیل کا رد
کرنا بھی مقصود نہیں۔ بلکہ ہمکو تو امام صاحب کے قول کا صرف ماخذ دکھلانا ہے۔ تاکہ ہمارے
امام پر سے مخالفت حدیث کا اعتراض اٹھ جائے۔ باقی اس سے آگے کو میں بے ضرورت
بھی سمجھتا ہوں۔ اور اس سے آگے بڑھنے کو دوسرے مذاہب کی تنقیص بھی سمجھتا ہوں اور
یہ بھی فرمایا کہ میں مسائل میں تو امام صاحب کا مقلد ہوں مگر تقلید میں محقق ہوں۔ تقلید کی
حقیقت سمجھکر میں نے اُسکو اختیار کیا ہے محض اپنے بڑوں کے اتباع سے نہیں گو شروع
تو یونہی ہوا تھا مگر پھر خود میری سمجھ میں امام صاحب کی تقلید کا ضروری ہونا بھی آگیا یعنی
اگر اب فرضاً یہ بھی ثابت ہوجائے جیسے بعض خودغرض لوگ مشہور کرتے ہیں کہ ہمارے بعض
بزرگ مقلد نہ تھے امام صاحب کے مثلاً میں یہ سنوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور مولانا
اسمٰعیل شہید مقلد نہ تھے۔ امام صاحب کے۔ گو میں اسکو صحیح نہیں سمجھتا لیکن فرض بھی کرلوں
تب بھی میں امام صاحب کی تقلید ترک نہ کرونگا۔ اتنا سمجھگیا ہوں یا امام صاحب کی تقلید
کی حقیقت کو البتہ اگر قول ابوحنیفہ کو ہم کسی آیت یا حدیث کے خلاف دیکھیں گے تو اُسوقت
بیشک اُسکو ترک کردیں گے۔ مگر اس کتاب اعلاء السنن کی تحریر سے معلوم ہوگیا کہ بظاہر
جن مسائل کی دلیل لوگوں کے نزدیک امام صاحب کے پاس نہیں بھی معلوم ہوتی اُن کی
دلیل بھی امام صاحب کے پاس ہے۔ اور اسکی ضرورت نہیں کہ کوئی صریح حدیث ہی امام صاحب
کے فتوے کے موافق ملے۔ بلکہ جب کوئی آیت یا حدیث ذو محملین ہو تو۔ ذوق مجتہد دو
شقوں میں سے ایک کا مرجح ہوتا ہے اسی طرح مخالف حدیث کی تاویل کیلئے بھی ذوق
مجتہد کافی ہے۔ اب اسی طرز کو پیش نظر رکھکر آپ اکابر کے اقوال کو دیکھہ جائیے تو معلوم

ہوگا کہ سلف کا طرز بالکل یہی تھا۔ اب طالب علموں کو غلو ہوگیا ہے کہ وہ مجتہد کے ذوق
کی صحت کیلئے صریح حدیث کو ڈھونڈھتے ہیں سو اسکی ضرورت نہیں مثلاً ایک حدیث میں
آیا ہے کہ جو نمازی کے یا نمازی کے سامنے سے گذرے وہ شیطان ہے۔ اور ارشاد ہے کہ
فلیقاتلہ یعنی اگر ہٹلانے سے نہ ہٹے تو اس سے قتال کرنا چاہیئے۔ مگر امام صاحب
فرماتے ہیں کہ قتال جائز نہیں۔ تو اب یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ ممانعت قتال کونسی صریح
حدیث سے ثابت ہے۔ تو اس کی حقیقت سمجھنے کیلئے ضرورت ہے اُن دو اصل کے مستحضر
کرنے کی جو اوپر بیان کی گئی ہیں ایک ذوق کا مرجح ہونا دوسرا حقیقت استدلال کا درجہ
منع میں ہونا یعنی ممکن ہے امام صاحب نے اس حدیث میں اپنے ذوق اجتہادی سے یہ
سمجھا ہو کہ اس حدیث میں جو قتال کا امر ہے۔ اسکی علت کیا ہے کہ جسکی وجہ سے فلیقاتل
فرمایا گیا تو ظاہر ہے کہ اسکی علت ہے حفاظت خشوع صلوٰۃ جو کہ ایک وصف ہے صلوٰۃ کا
اور مرور سے اسمیں خلل ہوتا ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ ذات صلوٰۃ
وصف صلوٰۃ سے زیادہ حفاظت کے قابل ہے۔ تو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے امام
صاحب نے یہ سمجھا ہو اس حدیث سے کہ جب صفت صلوٰۃ اسقدر قابل حفاظت ہے تو
ذات صلوٰۃ تو اور زیادہ قابل حفاظت ہے۔ تو امام صاحب نے یہ دیکھا کہ اگر فلیقاتل کو ظاہر
پر رکھا جاویگا تو ذات صلوٰۃ برباد ہوئی جاتی ہے کیونکہ جب کوئی قتال کریگا تو ہاتا پائی
بھی ہوگی کپڑے بھی پھٹیں گے تو پھر نماز کیا باقی رہے گی۔ اسلئے امام صاحب نے اپنے اجتہاد
سے یہ سمجھا کہ یہاں پر فلیقاتل زجر پر محمول ہے۔ لہذا وہ اشکال رفع ہوگیا کہ فلیقاتل
کے مجاز پر محمول ہونے کیلئے کونسی صریح حدیث دلیل ہے سو ہر جگہ گو ہم ذوق مجتہد کی تفصیل
پر مطلع نہ ہوں۔ مگر اصل یہ ہے جو میں نے بیان کی غیر مقلد ایک یہ بھی اعتراض کرتے ہیں
کہ جب تم دلیل ڈھونڈھتے ہو تو پھر مقلد کہاں رہے تو جواب یہ ہے کہ عمل کیلئے تو امام ہی کا
فتویٰ کافی ہے۔ باقی دلائل ہم یوں ڈھونڈھتے ہیں کہ امام صاحب پر سے اعتراض دفع ہوجاویں
نہ کہ عمل کے انتظار کیلئے اور اگر ہم دلائل عمل کیلئے ڈھونڈھتے۔ تو ہم دونوں طرف کے دلائل
پر نظر کرتے۔ پھر کبھی حنفیہ کے دلائل کو ترجیح دیتے اور کبھی امام شافعی کے دلائل کو جیسے نہیں

توہم تو مقلد ہوئے اسی طرح اگر ہم استنباط کرتے قرآن و حدیث سے تو بھی مقلد نہ رہتے کیونکہ یہ کام مقلد کا نہیں ہے بلکہ مجتہد کا ہے۔ لیکن ہم دلائل استنباط کی غرض سے نہیں تلاش کرتے بلکہ صرف رفع اعتراض کیلئے۔ تو وہ شبہ مرتفع ہوگیا۔

(۴۸) فرمایا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ میں) ایسا انصاف تھا کہ بعض دفعہ اپنے کسی طالب کے الجھے ہوئے سوالات میرے پاس بھیجدیا کرتے تھے

(۴۹) قریب شعبان سنہ ۴۶ھ فرمایا کہ جب مجکو معلوم ہوا کہ مولوی طیب صاحب کو نائب مہتمم مقرر کیا جا رہا ہے تو میں نے اس تجویز میں یہ قید بڑھا دی کہ بشرط اہلیت۔ پھر مولوی طیب صاحب نے خود مجھسے اپنے تقرری سے بیزاری ظاہر کی اُس وقت یہاں پر جلسہ شوریٰ ہو رہا تھا میں نے کہا کہ تم مجلس میں اپنا استعفا پیش کردو میں اسپر رضامندی ظاہر کردونگا۔ پھر بعد کو میرے ہی قلب میں اول یہ بات آئی کہ مولوی طیب ہی کو مہتمم ہونا چاہیئے۔ اور یہ دو وجہ سے ہوا جو عنقریب مذکور ہیں (جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی خدمت مدرسہ کے دو داعی ہونگے ایک یہ کہ مدرسہ دین کا کام ہے دوسرا یہ کہ میرے جد امجد کا بنا کردہ ہے پھر اسی سلسلہ میں اہل مجلس سے فرمایا کہ میں ایک علمی استفادہ کرنا چاہتا ہوں کوئی صاحب بتلائیں کہ اس حدیث عثمان کے کیا معنی ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو خلافت کے ترک سے کیوں منع فرمایا جب کسی نے جواب نہ دیا تو مولوی صاحب مدرس مدرسہ امداد العلوم نے فرمایا کہ چونکہ حضرت عثمان حق پر تھے تو حق کو کیوں ترک کریں۔ فرمایا کہ ہاں یہی وجہ تھی اور اس سے پہلے ایک مولوی صاحب نے فرمایا تھا کہ کوئی دوسرا خلافت کا اہل نہ تھا فرمایا کہ کیا حضرت علی رض بھی اہل نہ تھے؟ یہ تو غلط ہے بہت لوگ موجود تھے) مگر میں اس سے ذرا آگے پہنچا ہوں وہ یہ کہ اگر حضرت عثمان مخالفین کے کہنے سے ترک خلافت کردیتے تو آگے کو ایک بری راہ نکلجاتی کہ بس جب کسی کا دل چاہا شور و فساد برپا کرکے خلیفہ کو معزول کردیا پھر خلیفہ اور خلافت کوئی چیز ہی نہ رہتی اسلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے روکا پھر فرمایا کہ دوبارہ جو مولوی طیب صاحب کے متعلق میری رائے ہوئی اسکی وہ وجہ تھی جو حدیث الائمۃ من قریش کی وجہ ہے اور وہ وجہ وہ ہے کہ جسکو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ

اسلام سے اور ونکا تو محض مذہبی ہی تعلق ہے اور قریش کا خاندانی تعلق بھی ہے کہ نبی اُس خاندان کے ہیں تو اون کو اسلام کی حمایت دو وجہ سے ہوگی اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ کے خاندان کو مدرسے سے دو تعلق ہوں گے (اوم اسی وجہ کو دو وجہ سے تعبیر کیا ہے کیونکہ حاصل اسوجہ کا دو وجہیں دو تعلق کے اعتبار سے) پھر اہلیت مولوی طیب صاحب کی اس سے بھی ثابت ہوگئی کہ انھوں نے اس سے کراہت ظاہر کی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اور در حقیقت انکو اس سے کراہت ہے ان کا اصلی مذاق تو یہ ہے کہ مدرسی ہو اور وہ بھی بلا تنخواہ اور آدمی کے دل کا حال اور اسکا اثر اسکی باتوں سے معلوم ہو جاتا ہے یہ دلیل صاف ہے انکی اہلیت کی پھر اپنی سرپرستی کے متعلق فرمایا کہ میں نے صاف ظاہر کر دیا کہ میں صرف مشورہ دیا کرونگا مشورہ کے بعد حکم کرنا یا جبر کرنا میرا کام نہیں۔ پھر اہل فتنہ کے متعلق فرمایا کہ موجودہ نظام میں اگرچہ کچھ کوتاہیاں ہوں لیکن وہ مبقی ہے مدرسہ کا اور مخالفین نے جو طرز اختیار کیا ہے وہ مدرسہ کا مفنی ہے اسوقت مدرسہ گو بیمار ہے مگر اسکے اندر روح تو ہے یعنی طرز قدیم باقی ہے اور نئے طرز میں گو ظاہری ترقی ہو مگر وہ ترقی ایسی ہے جیسے روح نکلنے کے بعد مردہ کا جسم پھول جاتا ہے وہ بھی ایک قسم کی ترقی ہے مگر چونکہ روح نہیں رہی اسلئے وہ پھولکر پھر پھٹتا ہے۔ اور اسی فتنہ کے متعلق فرمایا کہ میں اگر مدرسہ میں ہوتا تو کسی سے کچھ نہ کہتا۔ اصول کی پابندی کے ساتھ کام کرتا رہتا۔ اگر طلبہ کم ہی رہجاتے ان ہی کو لیکر بیٹھ جاتا اور یہی کہتا کہ اب مدرسہ اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ اگر وفود آتے تو میں کسی کو کوئی جواب نہ دیتا نہ کسی کو کوئی رجسٹر دکھاتا کہدیتا کہ ہم نہیں دکھاتے اگر وہ کہتے کہ صاحب ہم قوم کی طرف سے آئے ہیں تو میں کہدیتا کہ جاؤ قوم سے کہدو کہ چندہ نہ دے (اگر مدرسہ کیلئے ہمارے پاس قوم چندہ نہ بھیجے گی تو) ہم مدرسہ میں قفل لگا کر اپنے گھر چلے جائیں گے ہمارا کیا نقصان ہے۔ اس استقلال کی جو برکت ہوتی سب دیکھتے۔

(۵۰) ایک بار مولانا محمد قاسم صاحب کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا کے علم کی اور شان تھی اور مولانا رشید احمد صاحب کے علم کی اور شان تھی۔

(۵۱) فرمایا کہ ایکبار تحریک خلافت کے زمانہ میں کوئی شخص مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مردانہ مکان میں بیٹھا ہوا میری برائی کر رہا تھا اور مولانا اندر کے درجہ میں تشریف رکھتے تھے تو مولانا باہر تشریف لے آئے اور بہت ناگواری کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ ہمکو یہ بھی فخر ہے کہ اس تحریک کا مخالف بھی ہم ہی میں سے ہے مطلب یہ تھا کہ ایسا قوی القلب شخص کہ جو سارے ہندوستان کی بھی پروا نہیں کرتا وہ بھی ہماری ہی جماعت میں سے ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میرے اوپر کیا کوئی وحی اتری ہے۔ میری بھی محض رائے ہے ممکن ہے دوسری رای صحیح ہو پھر حضرت حکیم الامۃ نے فرمایا کہ اگر حضرت مولانا مجھکو تحریک میں شامل ہونیکے لئے حکم فرماتے تو چونکہ میں اُنکا چھوٹا تھا اسلئے مجبور ہو جاتا۔ مگر حضرت مولانا کو کبھی اسکا خطرہ بھی نہ ہوا بلکہ خیال آیا تو یہ آیا کہ اپنے ایک خادم خاص پانی پتی سے یہ فرمایا کہ بھائی اختلاف تو اچھا نہیں معلوم ہوتا لاؤ پھر میں ہی اپنی رائے سے کچھ رجوع کر لوں (یہ مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ تھے۔ احقر جلیل احمد) سبحان اللہ حضرات اکابر کسقدر حدود کی رعایت فرماتے ہیں۔

(۵۲) **سلسلہ حقوق ازواج میں**۔ فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ازواج مطہرات کے ساتھ نہایت مہربانی فرماتے تھے۔

(۵۳) فرمایا فلاں شخص جو علم و تقوی کا دم بھرتے تھے اپنی بیوی پر بہت سختی کرتے تھے جس کا یہ اثر تھا کہ اُن کی بیوی اُنکو سُور کا بچہ کہا کرتی تھی۔ اور میرے حسن سلوک کا میرے گھر والوں پر یہ اثر ہے کہ وہ مجھکو بجائے پیر سمجھتے ہیں۔

(۵۴) فرمایا کہ اپنی عورتوں کی دلجوئی یوں بھی کرنا ضروری ہے کہ اُنکو یہ خیال نہ ہو کہ مثل دیگر بے پردہ عورتوں کے اگر ہم بھی پردہ نہ کرتے تو ہمارے کام آسانی سے پورے ہو جاتے بلکہ اُن کی اتنی خدمت کرے کہ وہ یقین کر لیں کہ اگر ہم پردہ نہ کرتے تو مرد ہماری اتنی خدمت نہ کرتے۔ حاصل یہ کہ مرد کے طرز عمل سے عورتوں کو پردہ کا موجب راحت ہونا معلوم ہو جائے اور بے پردگی کی ترجیح کا وسوسہ نہ ہو اسی سلسلہ میں عورت کی شان انقیاد کے متعلق فرمایا۔ کہ ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ مردوں کو سالہا سال کے مجاہدوں کے بعد یہ بات نصیب ہوتی ہے کہ وہ حق تعالیٰ کا ہو رہے سب کو چھوڑ کر۔ اور عورت اپنے خاوند کیلئے پہلے ہی دن

یعنی شادی ہوتے ہی اسکے لئے وقف ہو جاتی ہے اور پھر اگر عورت کا خاوند بھی نہ ہوگا
تو اور کون ہوگا اس بیچاری کا۔ تو اگر اسکی تھوڑی بہت بدخلقی بھی گوارا کر لی جائے تو کیا عجیب ہے
(احقر جلیل احمد عرض کرتا ہے کہ اس بارے میں حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی کا ایک
وعظ ہے مسمّی حقوق البیت جو آپ ہی اپنا نظیر ہے۔ احقر بھی اسکے مطالعہ سے حال
ہی میں مشرف ہوا۔ اور مطالعہ کے بعد افسوس کیا کہ کاش میں اسکا مطالعہ پہلے سے کرتا
تاکہ اضاعۃ حقوق العباد سے محفوظ رہتا)

(۵۵) تربیت باطن کے متعلق فرمایا کہ تجربہ ہے کہ علاج اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ
معالج کے قلب میں (مریض کی طرف سے) بشاشت ہو اگر بشاشت نہ ہو معالج کے قلب
میں تو علاج نہیں ہو سکتا۔ فرمایا کہ میری تو یہ رائے ہے کہ طبیب ظاہری بھی بغیر بشاشت
کے علاج نہیں کر سکتا۔

(۵۶) اس تذکرہ پر کہ فلاں صاحب کی گفتگو میں اثر ہے۔ فرمایا کہ اثر ایک تو ہوتا ہے
ذکر کا ایک ہوتا ہے بزرگوں کی صحبت کا (یعنی بزرگوں کے پاس بیٹھنے سے بھی ایک
اثر طالب کے اندر پیدا ہو جاتا ہے جو دوسرے کو محسوس ہوتا ہے) اور ایک اثر ہوتا ہے
اعمال کا اور اعمال کا اثر بہت دقیق ہوتا ہے اسکو ہر شخص نہیں پہچان سکتا اس لئے
اثر کے احساس کا انتظار نہ کرے بلکہ اعمال کا مشاہدہ کرے اور جسکے اعمال ظاہرہ و باطنہ
منہاج شریعت پر ہوں اسکی صحبت سے استفادہ کرے اور فرمایا کہ اصل چیز اعمال ہی ہیں
اور حدود سنت کے اندر رہکر جو کوئی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو وہ بعض مرتبہ اتنی لطیف
ہوتی ہے کہ خود صاحب کیفیت کو بھی اسکا ادراک نہیں ہوتا۔ ۱۴ جولائی سنہ ۳۰ء

(۵۷) فرمایا کہ اہل باطل کی صحبت میں تو ظلمت ہوتی ہی ہے انکی مس کی ہوئی چیزوں
میں بھی ظلمت ہوتی ہے۔ شاہ غلام علی صاحب کی مجلس میں ایک شخص آیا فوراً شاہ
صاحب نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی معقول کی کتاب ہے اس شخص نے کہا کہ جی
ہاں میرے پاس شفا ہے شیخ کی فرمایا فوراً اسکو علیحدہ کرو تمام مجلس ظلمت سے بھر گئی ہے۔
ایک صاحب فرماتے تھے کہ بد دین کی کتاب خواہ وہ بد دینی کی نہ ہو مگر پھر بھی اس مصنف کا

قلب کی ظلمت دیکھنے والے کے دل میں اس کتاب کے الفاظ کے ذریعے پہنچتی ہے

(۵۸) فرمایا صوفیا کی مثال ایاز کی سی ہے اور علماء کی مثال حسن میمندی کی سی ہے ایاز محبوب تو ہے مگر انتظام حسن کے ہی سپرد ہے۔

(۵۹) فرمایا علماء کی وقعت عوام کے قلب سے ہرگز کم نہ کرنی چاہیئے۔

(۶۰) فرمایا کہ جو کام میں کر رہا ہوں یعنی تربیت سالکین اگر یہ کام دوسری جگہ ہوتا تو میں تو کتابیں پڑھاتا۔

(۶۱) فرمایا کہ میں گوشہ نشینوں سے مدرسین کو افضل سمجھتا ہوں۔

(۶۲) فرمایا کہ وسوسہ کو بلا واسطہ دفع کرنا مفید نہیں ہوتا بلکہ بواسطہ اذکار کے دفع کرنا چاہیئے۔

(۶۳) فرمایا کہ نماز وغیرہ میں جو توجہ اور حضور قلب ضروری ہے تو اسکی حد یہ ہے کہ اتنی توجہ اور اتنا حضور ہو جتنا اس قرآن شریف پڑھنے والے کو قرآن شریف کی طرف ہوتا ہے جسکو کچا یاد ہو اور وہ سوچ سوچ کر پڑھتا ہے۔ فرمایا اگر باوجود کوشش و تدبیر کے توجہ تام ہو تو اسپر قلق نہ کرے (نماز وغیرہ میں) کیونکہ پھر یہ قلق کی طرف توجہ ہو جائیگی غرضیکہ اگر سعی پر بھی کامیابی نہ ہو تو پھر اس قلق میں نہ پڑے کہ ہائے ابتک کیا ہوا آئندہ کیسے ہوگا اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں ۔ ماضی و مستقبلت پردہ خداست

(۶۴) بواسطہ ماسٹر مقبول احمد صاحب سیتاپوری احقر کو معلوم ہوا کہ حضرت نے فرمایا کہ بعض اوقات بعض کام کرنے سے طبیعت شرماتی ہے مثلاً گھڑا پانی کا بھر کر سر پر لانے کو طبیعت گوارا نہیں کرتی اور اس سے کبر کا شبہ ہو جاتا ہے اسلئے دونوں میں فرق سمجھنے کی ضرورت ہے سو تکبر اور خجلت میں یوں فرق ظاہر فرمایا کہ اگر مثلاً کسی شخص کو اس بات سے گرانی ہو کہ وہ سر پر ٹوکرا رکھکر سر بازار نکلے اور اس سے شبہ کبر کا ہو تو دیکھنا چاہیئے کہ مثلاً اگر خلاف عادت اسی کو ہاتھی پر بٹھا کر جلوس کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے بازار میں نکالا جائے تو اسکو آیا اس سے بھی انقباض ہوا اور شرم آئے یا نہیں اگر اس سے بھی انقباض ہو تو ایسے شخص کو ٹوکرا اٹھانے سے جو انقباض ہوا اسکو تکبر نہ کہیں گے بلکہ

یہ خجلت ہے جو خلاف عادت فعل کے ارتکاب کی وجہ سے سمجھی جاویگی اور اگر اس جلوس کے ساتھ نکلنے کی وجہ سے اس شخص کو انقباض نہ ہو تو یہ ٹوکرا اٹھانے سے جو گرانی ہوئی ہے اسکو تکبر قرار دیں گے کیونکہ عادت کے خلاف تو وہ جلوس کے ساتھ نکلنا بھی تھا اسمیں گرانی کیوں نہیں ہوئی۔

(۶۵) ایک صاحب کا خط آیا کہ آنکھ کھلنے کی سہل ترکیب کیا ہے فرمایا الارم یا کسی آدمی کا جگا دینا اور اس خط میں سوتے رہنے پر سائل نے اظہار افسوس کیا تھا اور لکھا تھا کہ بسبب مرض وغیرہ کے ایسا ہوتا ہے کہ نماز بھی قضا ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ پھر اسپر قلق کیوں کریں جب یہ اختیار سے باہر ہے پھر فرمایا کہ یہ سُنن باطنہ ہیں انکا لوگ خیال ہی نہیں کرتے بس جہاں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قلق کرو وہاں قلق کرو جہاں فرمایا ہے قلق نہ کرو وہاں نہ کرو۔ انسان مطالعہ محبوب کیلئے پیدا ہوا ہے نہ کہ اس دھیڑ بن کیلئے جب کوئی گناہ ہو جاوے شرعی طور پر تدارک کرے توبہ کرے مگر ہر وقت اسی میں نہ لگجائے کہ ہائے یہ کیوں ہو گیا تھا اور کہیں پھر نہ ہو جائے۔ البتہ توبہ نصوح کے بعد اگر از خود وہ گناہ پھر یاد آجاوے تو تجدید توبہ کی کرکے پھر کام میں لگ جاوے اس سے زیادہ کاوش کرنا غلو ہے اور یہ قصد کرنا کہ ذرا بھی کوتاہی نہ ہونے پاوے یہ ایک قسم کا دعویٰ اور غلو ہے اور گو عقلاً محال نہیں لیکن عادۃً محال ہے ورنہ پھر حدیث شریف میں یہ کیوں آتا سددوا وقاربوا واستقیموا ولن تحصوا۔ احقر نے عرض کیا کہ بعض مرتبہ کوئی عمل ترک ہوتا ہے۔ لیکن اسکے ترک کے اندر اختیار کو کچھ دخل نہیں ہوتا لیکن پھر یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید اسکے اندر فلاں وجہ سے اختیار کو دخل ہو تو اسوجہ سے اسپر افسوس کرنے کو جی چاہتا ہے۔ فرمایا کہ وہم تو کرنا نہیں چاہیئے بس معتدل طور پر سوچنے کے بعد عمل کر لینا چاہیئے اور جو افسوس کہ بلا اختیار ہو وہ تو اچھا ہے۔ پھر فرمایا کہ بعض لوگوں کو تقوی کا ہیضہ ہو جاتا ہے۔ مبتدی کا دل بڑھانا چاہیئے ایسی باتوں سے اسکو تعطل ہو جاتا ہے۔ ہاں منتہی کا حال دوسرا ہوتا ہے اسکا دل تو ایسا کھلا جاتا ہے کہ پھر بڑھانے سے بھی نہیں بڑھتا۔ اور بالکل یہ اپنے اختیار میں نہیں رہتا۔ ہیبت وانس ان دونوں میں سے جو بھی اسپر مسلط ہو جائے یہ مجبور ہے۔ ۲۷ جنوری ۲۸ء

(۶۶) فرمایا کہ یوں تو ہر حزن مفید ہے مگر جو حزن کہ امور باطنہ کے متعلق ہو وہ خواہ تھوڑی دیر کا ہی کیوں نہو بعض مرتبہ مدتوں کے مجاہدہ سے زائد مفید ہو جاتا ہے مگر اس حزن سے وہ حزن مراد ہے جو غیر اختیاری ہو۔ ۲۹ جنوری سنہ ۲۸ء

(۶۷) فرمایا کہ آخرت میں صرف معصیت پر سزا ہوگی اور غیر معصیت پر اگر اسمیں الہام کی مخالفت ہو کبھی صرف دنیا میں سزا ملجاتی ہے (یعنی ایسے امر پر کوئی مصیبت پیش آجاتی ہے)۔ ۴ جنوری سنہ ۳۰ء

(۶۸) فرمایا جو تکلیف کسی گناہ کی سزا میں پہنچتی ہے اسمیں پریشانی محسوس ہوا کرتی ہے۔ یہ ذوقی بات ہے اور جو رفع درجات کیلئے ہوتی ہے اس میں پریشانی نہیں ہوتی۔ شعبان سنہ ۴۸ھ

(۶۹) فرمایا قرضہ کی میعاد مقرر کرنا ناجائز ہے اور جو زر ثمن میں میعاد ہو وہ جائز ہے البتہ اگر قرضہ کی ایسی میعاد مقرر کر دی جو مجہول ہے مثلاً یہ کہ ہفتہ عشرہ میں دیدونگا یا لیلونگا تو یہ جائز ہے وہ میعاد ہی نہیں۔

(۷۰) فرمایا کہ چندہ کی تحریک اگر ضروری ہو تو خطاب عام سے مناسب ہے لیکن اگر خطاب عام میں بھی وجاہت سے متاثر ہونیکا اندیشہ ہو تو اسوقت چندہ نہ لے بلکہ کہدے کہ اس جلسہ کے بعد کسی کے پاس جمع کر دینا۔

(۷۱) فرمایا چندہ مانگنے کا کام علماء کے ذمہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اسمیں ان کی ذلت ہے اور امراء کیلئے ذلت نہیں کیونکہ بوجہ وسعت و فراخی اگر ایک روپیہ وہ دوسروں سے طلب کرینگے تو دو روپیہ خود بھی دینگے۔ شعبان سنہ ۴۸ھ

(۷۲) فرمایا علماء کو بحیثیت امارت امراء سے خود ان کے پاس جا کر نہ ملنا چاہیئے البتہ اگر ان سے کوئی دوسرا تعلق ہو مثلاً کسی امیر سے پہلے سے دوستی ہو تو وہ دوسری بات ہے

(۷۳) فرمایا کہ شیخ کو اتنا صاحب کشف ہونا ضروری ہے کہ دوسرے کے کشف کا واقعی یا غیر واقعی ہونا تو معلوم کر لے پھر فرمایا کہ کشف اگر وہم سے ہو یعنی تخیل ہو وہ جب میرے سامنے بیان ہوتا ہے تو سیدھی کو نہیں لگتا بس یہ ذوقی پہچان ہے۔ شعبان سنہ ۴۸ھ

(۷۴) **خلاصۂ عریضہ آمدہ از جانب یکے از منتہیان** (۱) ہمیشہ تہجد آخر شب میں ناغہ تھی ابھی زمانہ ہوا دو مہمان آئے وہ آخر شب میں اٹھے تو خیال ہوا کہ لاؤ میں بھی پڑھ لوں تہجد (۲) پھر خیال ہوا کہ نہ پڑھوں یہ ریا ہے چنانچہ نہ پڑھی (۳) پھر خیال ہوا کہ صبح کو ان سے ظاہر کر دیا جاوے کہ فلاں وجہ سے تہجد سے قاصر رہا اور اسوقت (تہجد) نہ پڑھی ہوں۔

خلاصۂ جواب حضرت حکیم الامۃ (۱) یہ اچھا تھا (۲) یہ اسلم تھا (۳) یہ خالص ریا تھا باقی ناقص کو یہی حکم کیا جاتا ہے کہ پڑھے اور نیت کو درست کرے ورنہ پھر اسکو ہر موقعہ پر ریا کا شبہ اور بہانہ ہونے لگے گا۔ شعبان ۴۸ھ

(۷۵) حیدر آباد سے ایک خط آیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے لڑکوں کو مصر بغرض تعلیم بھیجدوں اور خرچ ریاست نظام سے مقرر کرا دوں۔ اور میں خود مع اپنے متعلقین کے مکہ معظمہ جا کر رہ پڑوں۔ حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے جواب تحریر فرمایا کہ میں مشورہ تو دیا نہیں کرتا۔ مگر آپ کی خصوصیت سے اتنا لکھتا ہوں۔ کہ اگر میں ایسا کرتا تو اپنے کو چند جرموں کا مجرم سمجھتا۔

(۱) اپنی اولاد کی بے دینی کا سبب بنتا۔ کیونکہ مصر آجکل نیچریت کا معدن ہو رہا ہے۔

(۲) دنیا دار کے سامنے ہات پھیلانا (اور اسکے بھروسہ توکل کا دم بھرنا) (۳) پھر یہ کہ ذکر و شغل میں ہمیشہ لذت نہیں رہتی۔ کبھی نہ کبھی ضرور ملال پیدا ہوتا ہے۔ تو پھر ایسی حالت میں مکہ معظمہ میں جبکہ فراغ میسر ہوگا۔ ذکر و شغل میں تو ہر وقت مشغول رہو گے نہیں نتیجہ سوائے اسکے کیا ہوگا کہ بیکار پڑے رہو اور ادہر ادہر فضولیات میں مشغول رہو۔

(۷۶) فرمایا نسبت کہتے ہیں عبد کے معبود کیساتھ اور معبود کے عبد کے ساتھ تعلق کو یعنی معبود کی طرف سے رضا اور عبد کی طرف سے اطاعت باقی دہیان بندہجانا سو یہ تو مشق سے اور کفار کو بھی حاصل ہو سکتا ہے (کہ جو شخص ہر وقت یاد رکھیگا اسکو ہر وقت یاد رہنے لگیگی) یہ نسبت نہیں ہے اور یہ نسبت (یعنی تعلق درمیان عبد و معبود) معصیت سے سلب یا ضعیف ہو جاتی ہے۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ فلاں نے فلاں شخص کی نسبت سلب کر لی وہاں یہ نسبت مراد نہیں اسکو کون سلب کر سکتا ہے بلکہ مراد اس سے ایک کیفیت نفسانی ہے مثلاً نشاط جو پہلے عمل میں تھا وہ اب جاتا رہا اور یہ تصرف سے ممکن ہے لیکن خود ایسا تصرف جائز نہیں بلا عذر شرعی بس اگر اس

ذوق و شوق کے نہ رہنے سے عامل خود ہمت ہار دے اور اس سے اعمال میں کوتاہی کرنے لگے چونکہ نسبت کا بقا اعمال ہی پر تھا تو پھر ان وسائط سے نسبت بھی باقی نہیں رہی تو اس معنی کر اس تصرف کو (یعنی ذوق و شوق کے سلب کو) نسبت کا سلب مجازاً کہہ سکتے ہیں۔

(۷۷) فرمایا مستورات کا اس غرض سے بہت خیال رکھنا چاہئے کہ مبادا انکو یہ وسوسہ گذرے کہ پردہ کے سبب سے ہماری ضروری آسائش میں خلل پڑتا ہے۔ اسی رعایت مصلحت کے سلسلہ میں فرمایا کہ جتنا اللہ تعالیٰ مجھکو دیتا ہے اُسکے میں تین حصے کرتا ہوں اور اپنے گھروں میں اپنے حصہ کے برابر ہر ایک کو دیتا ہوں اور اپنے مہمانوں کا خرچ اس سے علاوہ دیتا ہوں

(۷۸) ایک صاحب اہل علم کے متعلق فرمایا کہ نہ معلوم اُنکے اور اُنکے گھر میں کیوں اختلاف رہتا ہے اور بنتی نہیں۔ حالانکہ اُن کے گھر میں نیک معلوم ہوتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضابطہ بہت برتتے ہیں مگر صاحب گھر والوں سے زیادہ ضابطہ چل نہیں سکتا۔

(۷۹) فرمایا کبر کی نفی کیلئے یہ احتمال رکھنا بھی کافی ہے کہ ممکن ہے یہ شخص اللہ تعالیٰ کے علم میں مجھسے اچھا ہو آجکل کے مشائخ تو یہ کہتے ہیں کہ اپنے سے سبکو یقیناً اچھا سمجھو میرے نزدیک تو یہ ہر ایک کے وسع میں نہیں میں اتنی آسان بات بتلاتا ہوں کہ صرف یہ کافی ہے کہ شاید مجھسے اچھا ہو سو یہ کچھ بھی دشوار نہیں۔

(۸۰) فرمایا آجکل لوگ علمی خرابی میں بھی مبتلا ہیں اور عملی خرابی میں بھی ایک عملی خرابی یہ ہے کہ آجکل جو شخص عمل کے اعتبار سے جس حالت میں ہے وہ اسپر قناعت کئے ہوئے ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ میرے اندر کوئی نقص نہیں۔ بات یہ ہے کہ لوگوں کو فکر نہیں۔ دھن نہیں۔ بلکہ بعض لوگ تو اسکی کوشش کرتے ہیں کہ اپنی بری حالت کو بھی برا ثابت نہونے دیں اور بعض کے اندر یہ بات تو نہیں ہے مگر کم از کم اتنا تو سمجھتے ہی ہیں کہ جو حالت ہماری ہے اسمیں تغیر و تبدل کی حاجت نہیں میں تو کہتا ہوں کہ یہ خشیت کی کمی ہے۔ خوف کے اندر احتمال ہوا کرتا ہے کہ کہیں مجھسے یہ نہو جائے وہ نہ ہو جائے۔ بس لوگوں میں خوف نہیں۔

(۸۱) فرمایا آج پانی پت سے چھوٹے گھر کا (مراد چھوٹی پیرانی صاحبہ دام ظلہا) خط آیا ہے انہوں نے اپنا ایک خواب لکھا ہے کہ میں نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کیلئے کچھ کلگلے مجھکو عنایت فرمائے ہیں کہ یہ انکو دیدینا یعنی حضرت دام ظلہم کو۔ پھر حضرت دام ظلہم العالی نے اسکی تعبیر ارشاد فرمائی کہ مراد کلگلوں سے علوم ہیں۔ اور اس طرف اشارہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ جسکو نفع ہوگا پورا نفع ہوگا کیونکہ کلگلے ایسی چیز ہیں کہ جب تقسیم ہوتے ہیں تو پورے یعنی سالم تقسیم ہوتے ہیں ٹکڑے ہو کر تقسیم نہیں ہوا کرتے [illegible]
[illegible] میں ارشاد فرمایا) الفاضل جلیل احمد علیگڈھی۔ مورخہ ۹ شوال [illegible]